ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

افکار اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نوراللہ مرقدہٗ

انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں
انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے افکار و نظریات کا حقیقی ترجمان

مدیر اعلیٰ :

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم اے

نگران اعلیٰ مرکزی مجلس رضا لاہور

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ)

قطامیہ بلڈنگ ۔ ٹکسالی گیٹ ۔ لاہور (پوسٹ بکس ۲۳۰۶)
رابطہ آفس مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ ۔ لاہور 0300-4235008

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

مدیر: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

جلد ۱۸ - نومبر دسمبر ۲۰۱۱ء - محرم الحرام ۱۴۳۳ھ - شمارہ ۱۸۵

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

①	سلامِ رضا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ	۲
②	اداریہ --- کس کس کی لیں خبر	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	۳
③	مولانا کوثر نیازی	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	۶
④	علامہ فضل حق خیر آبادی	اسید الحق قادری	۸
⑤	پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد اور رضویات	غلام مصطفیٰ رضوی	۲۳
⑥	ماہر رضویات فی الہند	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	۲۷
⑦	حسان العصر	پروفیسر محمد اکرم رضا	۴۷
⑧	مولانا محمد بخش مسلم	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی	۵۶

ہدیہ -/۲۰ روپے — سالانہ چندہ: -/۴۰۰ روپے

قارئین جہانِ رضا اپنے تجزیاتی خیالات کا اظہار کر کے ممنون فرمائیں۔

مرکزی مجلس رضا

مکتبہ نبویہ ـ گنج بخش روڈ، لاہور ـ موبائل: 0300-4235658

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارق حق و باطل امام الہدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی ہمزبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

زاہد مسجد احمدی پر درود
دولتِ جیش عسرت پہ لاکھوں سلام

درِ منثور قرآں کی سلک بہی
زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحبِ قمیصِ ہدیٰ
حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعیں
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصل نسلِ صفا وجہِ وصلِ خدا
بابِ فضلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج
چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

کس کس کی لیں خبر نہیں اپنی ہی جب خبر
دامن رفو کریں کہ گریبان رفو کریں !

آج ملکِ عزیز پاکستان میں جو آندھیاں چل رہی ہیں اور ملک و ملت کے گلستان کو جن طوفانوں کا سامنا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں' حکومتوں کے تاج و تخت لڑکھڑا رہے ہیں۔ جمہوریت کے پاسبان ایک دوسرے کے دست و گریبان کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ جن حکمرانوں نے اپنی رعایا کو امن و سلامتی دینی تھی وہ لوٹ کھسوٹ کے بازار سجائے بیٹھے ہیں۔ جن ایوانوں نے فریادیوں کی فریادیں سننی تھیں وہ خود فریاد کناں ہیں اور اپنے اعمال پر لرز رہے ہیں۔

رات دُنیا بھر کے ٹی وی اسٹیشن اور علی الصبح اخبارات کے صفحات جو خبریں دیتے ہیں' اس سے قوم کا بچہ بچہ سہما جاتا ہے۔ ہر صبح کی روشنی اور ٹھنڈی ہوا' اندھیرا اور بادِ سموم بن کر آتی ہیں۔ اس عظیم قوم کا ہر فرد جب اپنے ہی شہروں کے کوچہ و بازار میں قدم رکھتا ہے تو اسے خوف اور مایوسیاں آگھیرتی ہیں اور اسے ڈر لگتا ہے کہ کیا وہ وادیٔ جنات میں آ گیا ہے!

یہ تو تھی ہماری سیاسی اور دُنیاوی داستان' لیکن اگر ہم اپنے دینی گریبان پر نظر ڈالیں تو وہ تار تار نظر آتا ہے۔ علمائے کرام کا ایک عظیم طبقہ اور صوفیاء عظام کا ایک مقدس حلقہ دینی فتنوں کی زد میں ہے۔ بدعقیدہ اور بدمذہب قوتیں بھیس بدل بدل کر ہماری اعتقادی زندگیوں کو پامال کر رہی ہیں۔ کل کے وہابی' دیوبندی' رافضی تفضیلی' قادیانی' اپنے نام بدل بدل کر اہلسنت کی اعتقادی سرحدوں کو پامال کر رہے ہیں۔ جس ملک کو سنیوں نے بنایا تھا' جس ملک کے سُنیوں نے قربانیاں دی تھیں' جس ملک کے حصول کیلئے سُنی علماء و مشائخ نے دن رات ایک کر دیا تھا۔ آج اس ملک میں پاکستان کی ''پ'' پر لعنت بھیجنے والے دندنا رہے ہیں۔ جس ملک کی آزادی کی جدوجہد کے وقت ''مولویان کھدر پوش'' گاندھی اور نہرو کے کیمپوں سے وظیفے لے کر مساجد کے محراب و منبر پر بھجن گایا کرتے تھے۔ آج وہ اس عظیم قوم کی راہنمائی کے دعویدار بن گئے ہیں۔ یہ تو بات تھی بدعقیدہ مولویوں کی' مگر جو خوش عقیدہ علمائے دین تھے اور وہ نہایت خوش بیان تھے۔ ان کے انداز ایسے

بدلے کہ وہ قوم کی راہنمائی کی بجائے عوام کو "بدعقیدہ مولویوں" کے رحم و کرم چھوڑے جا رہے ہیں۔

آج ہماری مساجد ویران ہیں کہ نمازی نہ رہے۔ آج ہماری خانقاہیں خاموش ہیں کہ عقیدت مند نہ رہے۔ آج ہمارے مدارس بچوں کی پناہ گاہیں بن گئے ہیں کہ مدرسین نہ رہے۔ زمانہ بدلا' ہم بھی بدل گئے۔ جو نوجوان خوش آوازی لے کر اُبھرتے ہیں وہ نعت فروش بن جاتے ہیں جو واعظ آواز کی للکار لے کر آتے ہیں وہ وعظ فروش بن جاتے ہیں۔ جنہیں اپنی سرزمین نے قبول نہ کیا وہ مغربی ممالک میں جا کر میاں محمد کے سیف الملوک کے اشعار سُنانے لگے اور دانا ڈنکا چگنے لگ گئے ہیں۔

مقامی علمائے اہلسنّت نے ایک نیا انداز اختیار کر لیا ہے۔ کوئی پیرزادہ اُٹھتا ہے تو "علی کا پہلا نمبر" پکار کر رافضیوں کی پناہ لیتا جاتا ہے۔ کوئی عالم دین لڑکھڑاتا ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ بخشوا کر "فتح مبین" کا مستحق قرار دیتا ہے۔ کوئی منطق کی جولانی میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا تاج چالیس سال کے بعد آپ کے سر پر سجاتا ہے۔ ایک صاحب قلم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت کو بلند کرنے کیلئے آپ کو "مولود کعبہ" بناتا ہے۔ دوسرا اُٹھتا ہے تو وہ آپ کی اس عظمت کو کم کرنے کیلئے "مولود کعبہ کون؟" کا سوال لے کر میدان میں نکل آتا ہے۔ غرضیکہ ہماری اعتقادی دنیا میں ہزاروں فتنے جو "باریک طرز موئے ابلیس" ہیں۔ پھیل رہے ہیں' غیروں کی بد اعتقادی حرکات کو نظر انداز کر کے ہم اپنے ہی گھر کو نذرِ آتش کر رہے ہیں۔

اس گھر کو ہی آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عظمت اہلسنّت کے نام پر رافضیت ہمارے۔ علماء کرام۔ پیرانِ عظام اور پیرزادگان والا شان کے خیالات اور عقائد کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ لندن سے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ یہ اعتقادی فتنے پاکستان کے علاوہ اب یورپ کے مختلف ممالک میں پھیل رہے ہیں' اور ان موضوعات پر مناظرے ہو رہے ہیں اور اپنی اپنی فتح یابیوں کے جشنوں کے ساتھ ساتھ اپنی فتوحات' کے حلقے وسیع کر رہے ہیں۔

ہم سیاسی جماعتوں کی بات نہیں کرتے وہ تو عذاب الٰہی کا شکار ہو گئی ہیں۔ وہ اپنی کرپشن' لوٹ مار اور ملکی مسائل کو حل کرنے میں ناکامی کو ریلیوں اور جلسوں کے شور شرابے میں چھپا رہی ہیں۔ ان کی راتوں کی نیندیں' خواب آور گولیوں کا سہارا لے رہی ہیں ان کے دن اپنی سیاہ کاریوں کو چھپانے میں گذر رہے ہیں۔ ہم تو علمائے اہلسنّت کی قیادتوں پر ماتم کناں ہیں۔ جو ان طوفانوں اور آندھیوں کے باوجود بھی یکجان نہیں ہوتے اور اپنوں کو اپنا نہیں بناتے۔

ہم جن سیاسی راہوں پر ریلیاں نکال رہے ہیں وہ مغضوب سیاست دانوں کی پامال شدہ راہیں ہیں۔ جن راہوں پر شیطان اپنی اولاد کو لے کر ناچ چکا ہو ان پر چل کر ہم کس منزل کو پائیں گے' جس کھیت کو خنزیروں نے برباد کر دیا ہو اس کھیت میں کون سی فصل اُگے گی؟

ان سیاسی اور دینی فتنوں اور طوفانوں کے دوران اگر ہم اپنی اعتقادی دنیا کو بچانا چاہیں تو ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنے عقائد کو امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و تعلیمات کی روشنی میں مضبوطی سے استوار کریں۔ اعتقادی فتنوں کے طوفانوں میں اکبری الحادی کے زمانہ میں مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور انگریزی دور کے اعتقادی فتنوں میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حفاظت کی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دین الٰہی جسے مغل اقتدار اور ہندو راجاؤں کی حمایت حاصل تھی۔ پامال کر کے رکھ دیا۔ حضرت مجدد اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی کو انگریزی اقتدار اور ہندو اکثریت کا سامنا تھا۔ آپ نے بھی ان فتنوں کا مقابلہ کر کے دین اسلام کے روشن چہرے کو نمایاں کر دیا تھا۔ آج مسلمانوں کو ایسے ہی حالات کا سامنا ہے۔ اس لئے انہیں سب بکھیڑوں سے منہ موڑ کر اپنی اعتقادی دنیا کو اعتقادی فتنوں سے بچانا چاہیئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد اہلسنّت کے نقش قدم پر چل کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا چاہیئے اور دنیا کو بتا دینا چاہیئے کہ ہم "سرمایۂ ملت کے نگہبان" ہیں اور ہم دو قومی نظریہ کے ترجمان ہیں۔ موجودہ زمانے کی سیاسی چالیں اور اعتقادی ناہمواریاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔

ہمارے علمائے اہلسنّت اور ہمارے مشائخ کرام اپنی اپنی مساجد اور اپنی اپنی خانقاہوں کو آباد کریں۔ اعتقادی طور پر عوام کی راہنمائی کریں۔ یہ قوم بڑی زخم خوردہ ہے۔ اس کے نوجوان اپنے زخموں پر مرہم رکھنے کے متمنی ہیں۔ اس قوم کے غریب ٹھوکریں کھانے کے بعد نڈھال ہو چکے ہیں۔ پاکستان کے عوام چوروں کے ہاتھوں لٹ چکے ہیں۔ ان بے گناہوں کو بے گناہی کی موت مارا جا رہا ہے اور مارنے والے دندناتے پھر رہے ہیں۔ پاکستان کے حکمران تو غریب عوام کو اپنی بکریاں سمجھتے ہیں۔ جن کے کوئی حقوق نہیں۔ وہ خود ہی پاکستان کی اُجڑی ہوئی چراگاہوں سے سوکھا گھاس چر کر اپنے گھر آ جاتے ہیں۔ مگر علماء کرام و صوفیائے کرام (اگرچہ وہ خود زخم خوردہ ہیں) انہیں اس قوم کے درد و دکھ میں شریک ہو کر صبح و شام کام کریں۔ یہ مسکین لوگ آپ کے نبی ﷺ کی امت ہیں۔ انہیں یونہی بے یار و مددگار چھوڑ دینا علماء کرام کے لئے مناسب نہیں۔

مولانا کوثر نیازیؒ

مولانا کوثر نیازی میانوالی سے لاہور آئے تو ان کا نام حیات محمد خان تھا۔ لاہور کی فضاؤں نے انہیں کوثر نیازی بنا دیا۔ وہ ۲۱/ اپریل ۱۹۳۴ء کو موسیٰ خیل ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر وہ ممتاز سیاست دان' صحافی' خطیب اور مذہبی راہنما بن کر رہے۔ شاعری میں انہیں درک تھا۔ شعر کہتے بھی تھے اور شعر کا انتخاب بھی درست ہوتا۔ ہمارے اس وقت واقف بنے جب وہ شام نگر میں رہتے تھے اور لال مسجد شاہ عالمی دروازہ میں خطابت کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں اُنہوں نے ''ماہنامہ شہاب'' نکالا۔ پنجاب یونیورسٹی سے اسلامی جمعیۃ العلماء اور جماعت اسلامی سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا اور مولانا مودودی کا منیجہ بن گئے۔ نواب آف کالاباغ نے سر پر ہاتھ پھیرا تو جماعت اسلامی کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں آ گئے۔ ۱۹۶۹ء میں پیپلز پارٹی میں آ گئے اور بھٹو کے قریب ہو گئے۔ جب بھٹو اقتدار میں آئے تو مولانا کوثر نیازی وفاقی وزیر بن گئے۔ بھٹو کی کابینہ میں پہلے مذہبی اور اقلیتی امور کے وزیر بنے پھر ۱۹۷۴ء میں وزیر اطلاعات کا منصب سنبھال لیا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کی عبوری حکومت میں' حکومت پاکستان کا ایلچی بن کر ہندوستان میں خیر سگالی کا مشن لے کر گئے۔ بھٹو خاندان کی وفاداری کی وجہ سے محترمہ بے نظیر کی حکومت میں انہیں اسلامی نظریاتی کونسل کا چیئرمین بنا دیا گیا۔ آپ کی تصانیف میں ''اور لائن کٹ گئی'' ۔ ''کوہ قاف کے دیس میں'' کو بہت پذیرائی ملی۔

بھٹو کے خلاف ۱۹۷۷ء میں تحریک چلی تو وہ دونوں پارٹیوں کے درمیان معتمد کی حیثیت سے بات چیت کرتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام میں وہ کھل کر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات پر بات کرنے لگے تھے۔ ہم نے اپنے ماہنامہ ''جہانِ رضا'' میں انہیں ''دیوبندی'' لکھ دیا تو اُنہوں نے اس کی سخت تردید کی۔ جو ہم نے ''جہانِ رضا'' میں شائع کر دی۔ اُنہوں نے اعلیٰ حضرت کے علمی مقامات پر زبردست تقریریں کیں۔ جس کی وجہ سے وہ پاکستان کے علاوہ ہندوستان کے جلسوں میں امام احمد رضا پر تقریریں کرتے۔ ان کی تقریر ''ہمہ جہت شخصیت'' سنیوں میں اتنی مقبول ہوئی کہ سات لاکھ کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہوئی۔ وہ ''یومِ رضا'' پر تقریر کرتے' تو لوگ عش عش کر اُٹھتے۔

۱۵/ مارچ ۱۹۹۴ء کو جمعیۃ العلماء پاکستان لاہور نے انہیں اپنے دفتر میں دعوت دی تو مجھے ''ایڈیٹر جہانِ رضا'' ہونے کی وجہ سے اپنے دائیں ہاتھ بٹھا کر کھانا کھاتے رہے۔ کلمہ دعوت ختم ہوئی یہ دعوت پر ہجوم تھی' مجھے کہنے لگے' مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ ہم دونوں مجمع سے نکل کر باہر چلے گئے۔ نہر کے کنارے سیر کرنے لگے مگر بات نہ بنی۔ اپنی گاڑی پر گھر چلے گئے۔ اپنے بیٹے ڈاکٹر طارق کو فون کیا' اس نے دوائی تجویز کی مگر آرام نہ آیا۔ رات کی فلائٹ میں اسلام آباد پہنچے۔ ۱۹/ مارچ ۱۹۹۴ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

زندہ باد اے عاشق احمد رضا پائندہ باد!

☆☆☆

اسید الحق محمد عاصم قادری☆

علامہ فضل حق خیرآبادی
اور
شاہ اسماعیل دہلوی

شاہ اسماعیل دہلوی (آمد: ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء/ رخصت: ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) علامہ فضل حق خیرآبادی کے ہم عصر ہیں گو کہ علامہ سے عمر میں تقریباً ۱۸/۱۹/ سال بڑے ہیں، مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے نسبت تلمذ دونوں میں قدر مشترک ہے، علامہ کا بچپن دہلی میں خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے افراد خاندان کے زیر سایہ گزرا، روز کا آنا جانا تھا، فراغت کے بعد دہلی ہی میں ملازمت کی اور کم وبیش ۲۰/ برس تک بسلسلہ ملازمت علامہ دہلی میں قیام پذیر رہے، قیاس ہے کہ خاندان شاہ ولی اللہ کے دیگر افراد کی طرح علامہ کے شاہ اسماعیل دہلوی سے بھی مراسم رہے ہوں گے اور پھر ان دونوں میں استاذ بھائی کا رشتہ بھی تھا، یہ تعلقات وروابط اسی طرح چل رہے تھے کہ اسی درمیان شاہ اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان تصنیف کی-(۱)

اولین صدائے احتجاج: تقویت الایمان میں جہاں اور قابل اعتراض عبارتیں تھیں وہیں شفاعت کے بیان کے ضمن میں اللہ کی قدرت عامہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ اسماعیل دہلوی نے یہ لکھ دیا کہ:

''اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے''-(۲)

اس پر سب سے پہلے علامہ فضل حق خیرآبادی نے توجہ کی اور ایک

مختصر تحریر ''تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان'' لکھی، اس میں آپ نے ثابت کیا کہ حضور ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات ہے، اگر اس کو ممکن مانا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب لازم آئے گا اور کذب باری محال ہے، مزید یہ کہ شاہ اسماعیل کی یہ عبارت تنقیص شان رسالت پر مشتمل ہے-اس رسالے کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے ''رسالہ یک روزی'' تصنیف کیا-(۳)

یہیں سے مسئلہ امتناع نظیر اور امکان نظیر پر بحث کا آغاز ہوا، منشی جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

مولوی فضل حق معقولی خیرآبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون وسقراط وبقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے، مولانا شہید کے سخت مخالف ہو گئے، چنانچہ کتاب تقویت الایمان کے اس مسئلہ پر اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ سا دوسرا پیدا کرنے پر قادر ہے انہوں نے سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ جیسا دوسرا پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں، اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی ونقلی نہایت مدلل لکھا ہے، چنانچہ ''ایضاح الحق'' کے خاتمہ پر وہ فتوی بتمامہ چھپ بھی گیا ہے-(۴)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

مولانا اسماعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں یہ (علامہ فضل حق خیرآبادی) سب سے زیادہ نامور ہوئے، مولانا شہید نے 'تقویت الایمان' میں لکھ دیا ہے کہ خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آں حضرت کے امثال پیدا کر دے، یہ بات ان (علامہ فضل حق خیرآبادی) پر بہت شاق گزری، اور معقولیت کی رنگ آمیزیوں سے ایک تقریر اس کے رد میں لکھ دی، دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیین کا پیدا ہونا ممتنع بالذات سے ہے، اور پھر 'قدرت' اور 'مشیت' کا فرق فراموش کر کے سارا معاملہ مشیت کے فعل میں لے گئے، ساری تقریر جدل ومکابرہ کا ایک لفظی گورکھ دھندا تھی، مولانا

اسماعیل نماز کے لیے جامع مسجد جارہے تھے کہ راہ میں انہیں یہ تقریر ملی، نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے اور کاغذ و قلم منگوا کر ایک پورا رسالہ اس کے رد میں قلم بند کر دیا، چونکہ ایک ہی دن میں لکھا گیا تھا، اس لیے یک روزی کے نام سے مشہور ہوگیا، پھر مولانا صدر الدین نے بھی اس پر ایک تحریر لکھی، یہ دونوں رسالے ''ایضاح الحق الصریح'' کے حاشیہ پر چھپ گئے ہیں۔(۵)

مولانا آزاد نے عقیدے کے اس اہم مسئلے کو جتنا ہلکا کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ اپنی تمام تر وسعت کے باجود معاملہ کے اس خطرناک پہلو تک نہیں پہنچ سکی جس کے نتیجے میں انبیا و مرسلین اور اولیا و صالحین کے بارے میں عجیب و غریب اہانت آمیز اسلوب وجود میں آیا اور آگے چل کر انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی۔

مولانا آزاد اسی سلسلے میں آگے لکھتے ہیں:

''انہوں نے (مولانا فضل حق نے) میرزا غالب سے بھی ایک مثنوی مولانا اسماعیل کے رد میں لکھوائی تھی، جو دیوان میں موجود ہے، استمداد، توصل قبور (کذا-توسل) استغاثہ بحرف ندا، ایصال ثواب بطریق رسمی، اور یہی مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین اس میں بیان کیے گئے ہیں، آخری مسئلہ اس درجہ بے معنی تھا کہ میرزا غالب کا ذہن اسے قبول نہ کرسکا اور ایک لطیف پیرائے میں وہی بات کہہ دی جو مولانا اسماعیل کہتے ہیں، لیکن پھر چونکہ مولانا فضل حق نے بہ شدت انکار کیا، اس لیے چند نئے اشعار کہہ کر بحث کا رخ بدل دیا۔''(۶)

ہمارے خیال میں یہ غالب پرستی کی انتہا ہے کہ کسی خالص کلامی اور اعتقادی مسئلہ کے بامعنی اور بے معنی ہونے کے لیے مرزا غالب کے ذہن کا اس کو قبول کرنا یا نا کرنا ضروری ہے۔

امتناع نظیر کا مسئلہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا جس کو مولانا آزاد نے ایک ''بے معنی مسئلہ'' اور ''لفظی گورکھ دھندا'' قرار دے دیا بلکہ آگے چل کر اس کے دوررس عواقب و نتائج سامنے آئے، حکیم محمود احمد برکاتی نے درست لکھا کہ:

''علامہ کی فراست دینی خداداد تھی، آپ کی مندرجہ بالا تحریروں کی نوعیت صرف ایک کتاب پر تنقید اور ایک مصنف کی کسی علمی لغزش و خطا پر تعاقب کی نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑے دینی فتنے (انکار ختم نبوت) کی طرف اس کے آغاز ہی میں التفات فرما کر ملت کو متنبہ فرما دیا تھا، مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی حمایت میں چند علما میدان میں آگئے اور اس ایک مسئلے میں کئی مباحث پیدا کر دیے جن کے نتیجے میں انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی۔''(۷)

علامہ کی تحریر ''تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان'' فارسی میں تھی، اس کا ایک قلمی نسخہ کراچی میں حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کے کتب خانے میں ہے، ایک اور قلمی نسخہ حکیم نصیر الدین اجمیری (وفات ۱۹۸۸ء) برادرزادہ مولانا معین الدین اجمیری کی ملکیت میں تھا، وہیں سے مولانا عبدالحکیم شرف قادری (وفات: ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء) نے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا، اور اپنی مترجمہ تحقیق الفتویٰ (مطبوعہ بندیال، پاکستان-۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) کے آخر میں اصل فارسی متن کے ساتھ شائع کر دیا، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ وہی تحریر ہے جس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی تصنیف کیا تھا، اس لیے کہ یک روزی میں شاہ صاحب نے علامہ کی جو عبارتیں ''قولہ'' کے بعد نقل کی ہیں وہ سب عبارتیں اس میں موجود ہیں، لہٰذا اس تحریر کی صحت انتساب میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

دہلی کا تاریخی مناظرہ: تقویت الایمان میں صرف یہی ایک عبارت قابل اعتراض نہیں تھی جس پر علامہ نے گرفت کی بلکہ اس کی اور بہت سی عبارتیں علمائے وقت کے لیے تشویش کا باعث بن گئیں اور یہی تشویش بالآخر اس تاریخی مناظرے کا سبب بنی جس میں بقول مولانا آزاد ''ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحی تھے اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی''(۸) اور حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول ''جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل کے اعوان و انصار تھے، دوسری طرف باقی علمائے حق پرست''(۹) جن میں اکثریت اسی خاندان ولی اللہی کے تلامذہ اور

مستفیدین کی تھی، ان میں شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا مخصوص اللہ دہلوی (وفات: ۱۲۷۱ھ) اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی (وفات: ۱۲۵۹ھ) بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ مناظرہ جامع مسجد دہلی میں ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو منعقد ہوا، اس مناظرے کی قدرے تفصیلی روداد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے سیف الجبار میں درج کر دی ہے (۱۰) اس روداد سے پتہ چلتا ہے کہ مناظرے سے پہلے ایک استفتا مرتب کیا گیا تھا، اس استفتا میں ۱۴ سوالات تھے جو زیادہ تر بدعت کے مسائل سے متعلق تھے، اس استفتا کا جواب غالباً مولانا رشید الدین خاں دہلوی نے قلم بند کیا، اس پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے مہر تصدیق ثبت کی، علامہ کے علاوہ اس فتوے پر مولانا مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی مولانا محمد شریف دہلوی، مولانا عبداللہ اور مولانا اخون شیر محمد صاحب کے مواہیر اور دستخط تھے (۱۱)۔ مناظرے میں شاہ اسماعیل دہلوی سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس استفتا اور جوابات کو دیکھ لیں اگر درست ہوں تو اس پر مہر تصدیق کر دیں اور اگر ان کی نظر میں یہ غلط ہوں تو ان مسائل پر ابھی گفتگو کریں، مگر شاہ صاحب نے یہ کہہ کہ اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا کہ ''میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔'' (سیف الجبار: ص ۵۲)

رسالہ یک روزی: گزشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ علامہ کی ''تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان'' کے جواب میں بقول منشی جعفر تھانیسری ''مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی نہایت مدلل لکھا ہے''، اسی کا نام ''رسالہ یک روزی'' ہے، آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ تھانیسری اور آزاد دونوں حضرات کے بقول یہ رسالہ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح'' کے ساتھ شائع ہو گیا تھا، یہی نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ (۱۲)

رسالہ یک روزی میں شاہ صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی نظیر ممکن ہے، اور تحت قدرت الٰہی ہے، اس کے لیے انہوں نے پہلے قرآن کریم سے دلیلیں دی ہیں، اس کے بعد ایک عقلی دلیل نقل کی ہے، جس کو انہوں نے ''برہان عقلی'' سے

تعبیر کیا ہے، اس کے بعد علامہ کی مذکورہ تحریر سے کچھ عبارتیں نقل کر کے ان کا رد کیا ہے۔ علامہ نے اپنی کتاب تحقیق الفتویٰ میں رسالہ یکروزی کے ان دلائل کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

مسئلہ امکان کذب: مسئلہ امتناع نظیر کے بطن سے ''امکان کذب باری'' کا مسئلہ پیدا ہوا، حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول:

''اپنے قول کی صحت پر بہر حال اصرار کیے جانے کا ایک اور افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ صاحب اور ان کے اتباع امکان کذب باری تعالیٰ کے قول تک آ گئے۔'' (۱۳)

یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ علامہ نے امتناع نظیر کی دلیل دیتے ہوئے لکھا تھا:

وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ (ترجمہ تقریر اعتراضات)

اس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی میں لکھا:

ترجمہ: ان کا قول کہ ''یہ محال ہے کیوں کہ یہ نقص ہے اور نقص اللہ کے لیے محال ہے''، میں کہتا ہوں کہ اگر اس محال سے مراد ممتنع لذاتہ ہے جو قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہی نہیں ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مذکورہ کذب اس معنی میں محال ہے، کیوں کہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو ملائکہ اور انبیا پر القا کرنا قدرت الٰہیہ سے خارج نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا قدرت انسانی قدرت ربانی پر زائد ہو جائے، کیونکہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو مخاطبین پر پیش کرنا اکثر افراد انسانی کی قدرت میں ہے، ہاں مذکورہ کذب چونکہ اللہ کی حکمت کے منافی ہے اس لیے ممتنع بالغیر ہے۔ (۱۴)

گویا شاہ صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات ہے، مگر حکمت کی بنیاد پر اس سے کذب کا ارتکاب نہیں ہوتا اس لیے ممتنع بالغیر ہوا۔

تحقیق الفتویٰ میں علامہ نے اس دلیل کا محاسبہ کرتے ہوئے

لکھا:

یہ قائل مانتا ہے کہ جھوٹ نقص اور عیب ہے، اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے متصف ہونا ممکن ہے لہٰذا یہ صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ناقص اور عیب دار ہونا ممکن ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اس کا یہ استدلال کہ ”ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا ملائکہ وانبیا پر القا کرنا، قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں ہے“، باعث تعجب ہے کیوں کہ ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا مخاطب پر القا کرنا مطلقاً جھوٹ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکثر مقامات پر مخلوق سے حکایت کرتے ہوئے قضایا کاذبہ ذکر فرمائے ہیں، قائل کے کذب کا معنی یہ ہے کہ وہ مخالف واقع قضیہ سے خبر دے اور یہ صفت عیب اور نقص ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا عیب اور نقص سے موصوف ہونا ممکن ہے، اہل ایمان کی شان سے بعید ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ ”ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت الٰہیہ سے زیادہ ہو“، تعجب بالائے تعجب کا سبب ہے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں قائل کی دقیقہ رسی اور زیرکی کی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللّٰہ و تعالیٰ عما یصفون ظاہر ہے کہ بدترین فواحش اور شنیع قبائح، جن سے اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا عقلی، نقلی طور پر بدیہی اور شرعی طور پر ممتنع ذاتی اور محالِ عقلی ہے۔ قدرت انسانیہ کے تحت داخل اور قدرت الٰہیہ کے تحت داخل نہیں ہیں، اس قائل کے زعم پر لازم آئے گا کہ قدرتِ انسانی، قدرتِ ربانی سے زائد ہو، العیاذ باللہ! (۱۵)

پھر آپ نے قدرت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے ثابت کیا کہ کذب یا دیگر نقائص اللہ تعالیٰ کے لیے محال ماننے کے باوجود قدرت انسانی کا قدرتِ ربانی پر زائد ہونا لازم نہیں آئے گا۔

امکان کذب کے بارے میں شاہ صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ:

ترجمہ: ”اسی لیے جھوٹ نہ بولنے کو اللہ تعالیٰ کے کمال میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس کے (یعنی عدم کذب کے) ساتھ اس کی مدح کی جاتی ہے، برخلاف گونگے یا پتھر کے کہ جھوٹ نہ بولنے کی بنیاد پر ان کی مدح

نہیں کی جاتی، اور ظاہر ہے کہ صفت کمال یہی ہے کہ کوئی شخص جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود رعایت مصلحت اور تقاضائے حکمت کے تحت جھوٹ نہ بولتا ہو اس شخص کی مدح کی جائے گی“ (۱۶)

اس کے جواب میں علامہ لکھتے ہیں:

”اس کا یہ گمان کہ عدم کذب کو اللہ تعالیٰ کی تعریفات میں اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ وہ کذب پر قدرت کے باوجود کلام کاذب کا تکلم نہیں فرماتا، جیسے اس نے عوام کالانعام کو فریب دینے کے لیے کم معنی اور زیادہ الفاظ والی طویل عبارات سے بیان کیا ہے، ملمع کاری سے زیادہ کچھ نہیں، کیوں کہ تمام عیوب ونقائص اور قبائح وفواحش سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ محامد ومدائح الٰہیہ سے شمار کی گئی ہے اور نصوص میں مقام ثنا میں موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ان نقائص اور فواحش سے متصف ہونا ممتنعات عقلیہ اور مستحیلات ذاتیہ سے ہے۔ شان الٰہی کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی عیب اور نقص سے موصوف ہونا تجویز عقلی میں بھی ممکن نہیں ہے، یہی کمال تنزیہ اور تقدیس ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کذب کے اتصاف سے اس لیے پاک ہونا کہ اس ذات کریمہ کا عیوب ونقائص سے موصوف ہونا ناممکن ہے، عجز نہیں ہے، اس لیے کہ جس شے کی شان یہ ہے کہ وہ قدرت میں ہو، اس کا قدرت میں نہ ہونا عجز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے موصوف ہونا ممتنع ہے اور قدرت میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر قدرت کا نہ ہونا عجز نہیں ہو سکتا۔“ (۱۷)

باری تعالیٰ کے لیے کذب کو ممکن بالذات تسلیم کرنے کے نتیجے میں بات یہاں تک پہنچی کہ بعض حضرات نے جملہ قبائح (بری باتیں) اللہ کے لیے ممکن بالذات مان لیں، مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن کانپوری (وفات: ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) نے مسئلہ امکان کذب پر ایک رسالہ ”تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ الکذب والنقصان“ (مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ) لکھا اس پر مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا عبداللہ ٹونکی، مولانا محمد علی کانپوری، مولانا عبدالحی سورتی اور مولانا نور محمد گورداسپوری نے تقریظات تحریر فرمائیں، اس میں مولانا احمد حسن کانپوری نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کا نہ شرف کذب بلکہ جملہ

نقائص اور قبائح سے متصف ہونا محال بالذات ہے، اس کے جواب میں دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن دیوبندی نے "الجهد المقل فی تنزیه المعز والمذل" لکھی جس میں وہ یہاں تک لکھ گئے کہ:

''افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم فرماتے ہیں کیوں کہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔'' (۱۸)

پھر آگے چل کر یہ بھی لکھ دیا کہ:

''بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہل سنت ہے البتہ بوجہ امتناع بالغیر ان کے تحقق وفعلیت صدور کی کبھی نوبت نہیں آسکتی۔'' (۱۹)

الجهد المقل کے جواب میں مولانا احمد حسن کانپوری کے استاذ بھائی مولانا عبداللہ ٹونکی (وفات: ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) نے عربی زبان میں 'عجالة الراكب فی امتناع كذب الواجب' (مطبع اسلامیہ لاہور ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) لکھی۔

تحقیق الفتوی: وہ مسائل جن میں علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان نزاع واقع ہوا ان میں ایک مسئلہ 'مسئلہ شفاعت' بھی تھا، تقویت الایمان میں شفاعت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل دہلوی نے کئی صفحات میں خامہ فرسائی کی ہے، اور شفاعت کی ایسی تشریح کی ہے جس سے ائمہ متقدمین کی کتابیں خالی ہیں، اسی کتاب سے شفاعت کے متعلق شاہ اسماعیل دہلوی کی طویل عبارت کسی نے نقل کر کے علامہ کی خدمت میں بطور استفتا پیش کی، اس استفتا کے جواب میں علامہ نے قلم اٹھایا اور فارسی میں 'تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی' کے نام سے عقلی اور نقلی دلائل سے مزین ایک کتاب تصنیف فرمادی - یہ کتاب رمضان ۱۲۴۰ھ مطابق اپریل ۱۸۲۵ء میں تصنیف کی گئی - اس میں استفتا کا جواب تو دیا ہی گیا ساتھ ہی علامہ نے کئی جگہ شاہ صاحب کے ''رسالہ یک روزی'' کے دلائل کا تنقیدی جائزہ بھی لے لیا ہے، جس کا ذکر

ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں- حیرت ہوتی ہے کہ اپنے موضوع پر اتنی اہم کتاب اپنی تالیف کے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک غیر مطبوعہ رہی، مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال سے شائع کروایا ساتھ میں انہوں نے آخر میں کتاب کا اصل فارسی متن بھی شامل کر دیا ہے-(۲۰)

مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے اپنی تصنیف ''سیف الجبار'' اور فوز المومنین'' میں تحقیق الفتوی کا تذکرہ علامہ کی تصنیف کی حیثیت سے کیا ہے، سیف الجبار میں نہ صرف تحقیق الفتوی کا ذکر ہے بلکہ اس میں تحقیق الفتوی کے چاروں مقامات کا مختصر تعارف اور تقریباً ایک صفحہ میں خلاصہ فتوی کی عبارت بھی نقل کر دی ہے (سیف الجبار: ۴۹/۵۰) یہ ایک معاصر شہادت ہے، لہٰذا تحقیق الفتوی کے علامہ کی طرف انتساب میں شک نہیں کیا جاسکتا اور پھر سید حیدر علی ٹونکی کا علامہ کو مخاطب کر کے تحقیق الفتوی کا رد لکھنا اور اس کے جواب میں علامہ کا رسالہ امتناع النظیر تصنیف کرنا اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے-

تحقیق الفتوی کو علامہ نے ۴ مقامات اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے:

پہلا مقام: اس میں شفاعت کی حقیقت، اس کے اقسام اور حضور اکرم ﷺ کی شان شفاعت اور مقام محمود پر گفتگو کی گئی ہے، ساتھ ہی شفاعت کے بارے میں تقویت الایمان کی طویل عبارت کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے-

دوسرا مقام: شاہ اسماعیل دہلوی کی عبارت ''اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے الخ'' کا ابطال، اسی مقام پر امتناع نظیر اور امکان کذب کے مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے رسالہ یک روزی کے دلائل کا محاسبہ بھی کیا ہے-

تیسرا مقام: اس مقام میں اس بات پر گفتگو کی گئی ہے کہ شفاعت سے متعلق تقویت الایمان کی زیر بحث عبارت حضور اکرم ﷺ کی تخفیف وتوہین پر مشتمل ہے یا نہیں، چودہ وجوہ سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ یقیناً یہ عبارت حضور اکرم ﷺ کی تنقیص شان پر مشتمل ہے، اس مقام میں بھی آپ نے رسالہ یک روزی کی بعض دلیلوں کا جواب

دیا ہے۔

چوتھا مقام: اس میں اس بات پر بحث ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی تخفیف شان اور اہانت کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔

خاتمہ: اس میں آپ نے استفتا میں مذکور تینوں سوالات کے جوابات قلم بند کیے ہیں۔

تحقیق الفتویٰ کی ترتیب اور اس کے مندرجات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد ہم ایک اہم بات کی طرف اور اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ شاہ صاحب کتاب وسنت کا گہرا علم رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے موقف کو کتاب وسنت کے دلائل سے مزین کیا، جب کہ علامہ فضل حق خیر آبادی محض منطقی وفلسفی آدمی تھے، انہوں نے منطق وفلسفہ کی موشگافیوں اور جدل ومکابرے کے لفظی گورکھ دھندوں سے کام لیا، دراصل یہ بات قدیم زمانے کے بعض معتقدین اسماعیل اور مخالفین فضل حق نے لکھ دی، جب سے آج تک ہمارے ''غیر جانبدار مورخین ومحققین'' اس کا اعادہ کرتے آرہے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کو تقریر اعتراضات، رسالہ یک روزی اور تحقیق الفتویٰ کی غائبانہ زیارت کا بھی شرف حاصل نہیں ہوا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ یہ بات ہمارے عہد کے ایسے قلم کار بھی پورے یقین واعتماد کے ساتھ لکھ رہے ہیں جو علوم کتاب وسنت اور منطق وفلسفہ کی موشگافیوں کے فرق سے بھی ناآشنائے محض ہیں۔ تحقیق الفتویٰ کے مطالعے سے پتہ چلتا کہ اس میں علامہ نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لیے کم وبیش ۵۹/ آیات کریمہ، ۷۷/ احادیث رسول وآثار صحابہ اور ۲۶/ جگہ تابعین، ائمہ دین، مفسرین اور علما کے اقوال وعبارات پیش کی ہیں۔

ان آیات، احادیث، آثار اور اقوال ائمہ سے چاروں مقامات کی بحث مکمل کر کے علامہ نے آخر میں مستفتی کے تینوں سوالوں کے جوابات دیے ہیں، دراصل یہی اس پوری کتاب کا خلاصہ ہے، استفتا میں سائل نے تین سوالات کیے تھے: (۱) یہ کلام حق ہے یا باطل؟ (۲) اس کا یہ

کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی میں تنقیص وتخفیف ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی کی تنقیص وتخفیف پر مشتمل ہے تو اس کے قائل پر شرعاً کیا حکم ہے؟

مذکورہ تینوں سوالات کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) قائل کا کلام مذکور سرتاسر جھوٹ، دروغ، فریب اور دھوکہ ہے، کیوں کہ وہ گناہ گاروں کی نجات کے لیے شفاعت کے سبب ہونے کی نفی کرتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ، دیگر انبیا وملائکہ علیہم السلام اور اصفیا سے شفاعتِ وجاہت اور شفاعتِ محبت کی نفی کرتا ہے۔

(۲) اس کا یہ کلام بلاشبہ بارگاہ الٰہی کے مقربین کے سردار، انبیا، اصفیا، مشائخ اور اولیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی تنقیص شان پر مشتمل ہے، اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) اس بے ہودہ کلام کا قائل ازروئے شریعت کافر اور بے دین ہے، اور ہرگز مسلمان نہیں ہے، اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے، جو شخص اس کے کفر میں شک اور تردد لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے، کافر وبے دین نامسلمان ولعین ہے۔ (۲۱)

تحقیق الفتویٰ پر مندرجہ ذیل مشاہیر علمائے دہلی نے تائیدی دستخط اور مہریں ثبت کیں: (۱) مولانا محمد شریف دہلوی (۲) مولانا حاجی محمد قاسم (۳) مولانا محمد حیات لاری (۴) مولانا کریم اللہ (۵) مولانا محمد رشید الدین (۶) مولانا مخصوص اللہ دہلوی (۷) مولانا محمد رحمت (۸) مولانا عبدالخالق (۹) مولانا محمد عبداللہ (۱۰) مولانا محمد موسیٰ دہلوی (۱۱) مولانا خادم محمد (۱۲) مولانا احمد سعید مجددی (۱۳) مولانا محمد حیات (۱۴) مفتی صدرالدین آزردہ (۱۵) مولانا رحیم الدین (۱۶) مولانا محبوب علی۔

تحقیق الفتویٰ کی تصنیف (رمضان ۱۲۴۰ھ) کے چند ماہ بعد جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ میں شاہ اسماعیل دہلوی سکھوں سے لڑائی کے لیے سرحد کی طرف روانہ ہوگئے اور ۱۲۴۶ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس لیے اس وقت تحقیق الفتویٰ کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی یا ان کے متبعین کی جانب سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا اور وقتی

طور پر یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا، اس کے تقریباً ۲۰/۲۵ برس بعد سید حیدر علی ٹونکی تحقیق الفتویٰ کے جواب کے ساتھ میدان میں آئے، اور اس دبی ہوئی چنگاری کو انہوں نے شعلہ جوالہ بنادیا نتیجے کے طور پر اختلاف وانتشار کا بازار گرم ہوا، جواب اور جواب الجواب چھپنے لگے، اور بالآخر امت اسلامیہ ہند انتشار وافتراق کا شکار ہوکر اپنی اجتماعی قوت اور توانائی سے محروم ہوگئی۔□□□

حواشی وحوالے

(۱) یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عام طور پر لوگ تقویت الایمان کا سنہ تصنیف ۱۲۴۰ھ لکھتے ہیں، لیکن حکیم محمود احمد برکاتی کی تحقیق کے مطابق تقویت الایمان ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں تصنیف کی گئی، (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: ص ۱۴۳) اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

(۲) تقویت الایمان: ص ۲۵، کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند۔

(۳) سفر اور تلاش: ص ۵۶/۵۷، محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات وتحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد

(۴) سوانح احمدی: ص ۱۴۳، جعفر تھانیسری، بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورا ضلع انبالہ، بار دوم سنہ ندارد

(۵) غالب اور ابوالکلام: ص ۱۲/۱۱، مرتبہ عتیق صدیقی مکتبہ شاہراہ دہلی

(۶) مرجع سابق

(۷) سفر اور تلاش: ص ۵۷، محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات وتحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد

(۸) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ص ۵۶، مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی، طبع اول دہلی، ۱۹۵۸ء

(۹) فضل حق اور سنہ ستاون: ص ۱۰۴، محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء

(۱۰) دیکھیے: سیف الجبار: ص ۵۰ تا ص ۵۴، مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۲۹۲ھ

(۱۱) استفتا اور اس کے جوابات کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے، جو مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے قلم کا معلوم ہوتا ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے: "نقل است از اصلے کہ براں مہر رشید الدین خاں صاحب، ومولوی مخصوص اللہ ومولوی موسیٰ ومولوی محمد شریف، ومولوی عبداللہ، ومولوی

فضل حق ودستخط مولوی اخون شیر محمد ثبت است" - استفتا اور جوابات مع اردو ترجمہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اپنی کتاب "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان" میں شائع کیے ہیں، حضرت زید نے لکھا ہے کہ یہ استفتا مولانا رشید الدین خاں دہلوی نے کیا تھا اور اس کے جوابات شاہ اسماعیل دہلوی نے قلم بند کیے، مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، سیف الجبار میں درج روداد مناظرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے اس فتوے پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ "میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں"۔

(۱۲) یہ میر محمد معظم علی کے زیر اہتمام مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا ہے، ابتدا سے صفحہ ۱۲۷ تک ایضاح الحق ہے، ص ۱۳۸ سے ص ۱۵۰ کے آخر تک رسالہ یک روزی ہے، ص ۱۵۰ کی آخری تین سطروں سے ص ۱۵۸ کے آخر تک مفتی صدرالدین آزردہ کی وہ تحریر ہے جس کا ذکر مولانا آزاد نے کیا ہے، ص ۱۵۸ کی آخری سطر سے ص ۱۶۳ کے ربع تک مسئلہ امتناع نظیر پر ایک تحریر اور ہے

بقیہ: علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی

جس پر مصنف کے نام کا اندراج نہیں ہے، اور نہ ہی تاریخ موجود ہے، صاحب تحریر سے کسی نے مسئلہ امتناع نظیر پر سوال کیا ہے، انہوں نے اس کا تفصیلی جواب دیا ہے، یہ تحریر شاہ اسماعیل دہلوی کے موقف کی حمایت میں ہے، ص ۱۶۳ کے ربع سے اس صفحے کے آخر تک خاتمہ کے عنوان سے مہتمم مطبع فاروقی میر محمد معظم کی تحریر ہے۔

(۱۳) سفر اور تلاش: ۶۱، محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات وتحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد

(۱۴) اصل عبارت یہ ہے: قوله وهو محال لانه نقص والنقص عليه تعالیٰ محال، اقول: اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع والقائے آں بر ملائکہ وانبیا خارج از قدرت الہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است، بہ کذب

مذکور آرے ضمنی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر است۔ رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۵، مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ)

(۱۵) ملخصاً از تحقیق الفتویٰ: ص ۱۵۸ تا ۱۶۰، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی ۱۹۸۲ء

(۱۶) اصل عبارت یہ ہے: لہٰذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند واو را جل شانہ بہ آں مدح می کنند بخلاف اخرس وجماد کہ ایشاں را کسے بعدم کذب مدح نمی کند و پر ظاہر است کہ صفت کمال ہمین است کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد وبنا بر رعایت مصلحت ومقتضی حکمت بتنزہ از شوب کذب تکلم بکلام کاذب نمی آید ہماں شخص ممدوح می گردد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۵، مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ)

(۱۷) تحقیق الفتویٰ مترجم: ص ۱۶۰ تا ۱۶۱، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی ۱۹۸۲ء

(۱۸) الجد المعتل: ص ۴۱، بحوالہ مقدمہ تحقیق الفتویٰ: ص ۶۱، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی ۱۹۸۲ء

(۱۹) مرجع سابق

(۲۰) شرف صاحب نے مقدمے میں تحقیق الفتویٰ کے بعض مخطوطات کا بھی ذکر کیا ہے، جو ان کی نظر سے گزرے یا ان کے علم میں آئے، تحقیق الفتویٰ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں علامہ کے شاگرد تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد اور رضویات

غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن، مالیگاؤں

فکر وفن کا گلستاں جس سے سدا شاداب تھا
وہ حسیں دل کش بہار گلستاں جاتا رہا
(علی احمد سیوانی)

عکسِ حیات:

علمی وادبی دنیا کی مشہور شخصیت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا ظفر الدین قادری رضوی (م ۱۹۶۲ء) امام احمد رضا کے خلیفہ تھے، ہیئت وفلکیات اور علوم جدیدہ کے امام تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں حاصل کی، پٹنہ یونی ورسٹی سے میٹریکولیشن کر کے مدرسہ ایکزامنیشن بورڈ سے "مولوی" اور "فاضل" کیا۔ ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آئے، ۱۹۴۵ء میں انٹر اور ۱۹۴۷ء میں بی۔اے کیا، ۱۹۴۹ء میں ایم۔اے کیا اور اول آئے۔ پھر Ph.D. کا عزم کیا، ۱۹۵۲ء میں Ph.D. کی ڈگری پائی۔ ۱۹۵۳ء میں امریکہ سے روکیفلر فاؤنڈیشن کی فیلوشپ تفویض ہوئی اور آپ انگلینڈ تشریف لے گئے، پروفیسر ہملٹن گب کی نگرانی میں Social Criticism in Modern Arabic Literature کے زیر عنوان تحقیقی مقالہ لکھا، پروفیسر گب کے مشورے پر ساتویں صدی ہجری کے شاعر ومصنف مسلم بن محمود کی تصنیف "جمھرۃ الاسلام ذات النثر والنظام" کی تنقیدی تحلیل اور چوتھی صدی ہجری تک کے شعرا ومصنفین کی کم یاب تحاریر ریسرچ کا موضوع بنے۔ ۱۹۵۶ء میں D.Fil. کا اعزاز پایا، جرمنی میں ہائڈل برگ یونی ورسٹی میں بھی علمی کام کیا، علاوہ ازیں فرانس، ترکی، لبنان، مصر اور عراق کا بھی علمی سفر کیا۔

۱۹۵۸ء میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا، یورپ جانے سے قبل یونی ورسٹی کی لٹن لائبریری سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۸ء میں شعبۂ عربی کے چیرمین ہوئے، ۱۹۸۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے لیکن آپ کی خدمات کو دیکھتے ہوئے ملازمت میں ۴ رسال کی توسیع کر دی گئی۔ بعد کو مظہر الحق عربی وفارسی یونی ورسٹی بہار کے پہلے وائس چانسلر بنائے گئے، جامعہ اردو علی گڑھ سے بھی وابستہ رہے۔ کئی عالمی اکیڈمیوں، تحقیقاتی اداروں اور تعلیمی بزموں کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے۔ ۱۹۷۹ء میں صدر جمہوریہ نے عربی زبان وادب کی خدمات پر سرٹیفکیٹ آف آنر سے

نوازا، ۱۹۸۳ء میں اردو فارسی تحقیق پر غالب ایوارڈ پایا۔

علمی وادبی اور دینی موضوعات پر ساری زندگی کام کیا۔ قلم کا سفر وصال تک جاری رہا، مکتوبات و مخطوطات کے فن میں بے نظیر تھے، اردو کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی علمی کام انجام دے کر "تو قیر عرب تنویر عجم" کہلائے۔ عالمی سطح پر آپ کے اہل علم و دانش سے روابط ایسے تھے جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ ۳۰؍جون ۲۰۱۰ء/ ۱۷؍رجب ۱۴۳۱ھ بدھ کی صبح وصال فرمایا، حسب وصیت جنازہ امین ملت ڈاکٹر سید محمد امین میاں مارہروی نے پڑھایا اور تدفین علی گڑھ میں ہوئی۔

تعلق و وجہ تعلق:

پروفیسر مختارالدین احمد کی علمی خدمات کے معترف اپنے پرائے سبھی ہیں۔ راقم پر وہ مہربان تھے، خط سے رابطہ تھا، راقم کو رضویات سے ذوق ہے، خط لکھتا ان سے رضویات سے متعلق مشورے طلب کرتا، جواب فوراً دیتے، مشورے دیتے، مواد کی نشان دہی کرتے۔ رضویات پر گرچہ انھوں نے کم لکھا لیکن جو لکھا ٹھوس لکھا، رضویات کے حوالے سے رہ نمائی کرتے، رضویاتی ادب پر کام کے حوالے سے ان کے خطوط یک جا کیے جائیں تو ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آئے گا۔ راقم کے نام تقریباً ۱۵؍خطوط ہیں، جو چند سالہ رابطے کا نتیجہ ہیں، فون بھی کرتے، درجنوں فون کیے، راقم نے کم ہی فون لیا لیکن ان کی محبت و شفقت کا یہ حال کہ کبھی راقم کا خط نہیں پہنچتا تو فون کر کے کہتے آپ کی یاد آتی ہے، یہ محبت کس بنیاد پر تھی، ذوق رضویات کی بنیاد پر۔ راقم نے جب علی گڑھ پہنچ کر ان سے ملاقات کی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ رضویات کے موضوع سے آپ کی دل چسپی ہے۔ اسی موضوع کو مستقل طور پر موضوع تحریر بنالو۔

رضویات و متعلقات رضویات:

وہ عالمی محقق تھے، بین الاقوامی دانش ور تھے، ان کے مطالعے کی میز پر درجنوں تازہ بہ تازہ رسائل ہوتے لیکن وہ سب سے زیادہ مشتاق ماہ نامہ "جہان رضا" لاہور کے ہوتے۔ وہ مرد درویش عاشقِ رضا حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدیر جہان رضا کے مدح تھے، ان کی تحریروں کے قدرداں تھے، ان کے دوست تھے، راقم سے فرمایا کہ اس وقت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لاہور میں اور سید وجاہت رسول قادری کراچی میں اعلیٰ حضرت پر بڑا کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام کا انداز مجھے پسند ہے۔

رضا اکیڈمی کی خدمات سے بھی متاثر تھے، مجھ سے فرمایا کہ الحاج محمد سعید نوری بڑے متحرک ہیں، مفتی اعظم کے عاشق صادق ہیں، انھوں نے مفتی اعظم ہند پر بڑی ضخیم کتاب (جہان مفتی اعظم) شایع کر دی ہے۔...... واضح رہے کہ اس کتاب میں ایک اہم مقالہ ڈاکٹر مختارالدین کا بھی ہے، مکاتیب مفتی اعظم بہ نام ملک العلما، جس میں آپ نے نہایت اہم باتیں حاشیے میں لکھی ہیں اور عمدہ تمہید بھی۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اس کی علاحدہ اشاعت بھی کی اور اس کا ایک نسخہ ری مارک کے ساتھ راقم کو عنایت کیا۔

رحلت سے قبل آپ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی سے مراسلت کو کتابی شکل میں مرتب کر رہے تھے، یہ مراسلت خصوصی طور پر "رضویات" سے تعلق رکھتی ہے، راقم نے پروف خود دیکھا ہے، اس کے بعد ان کا ارادہ ملک العلما کے مکاتیب کی اشاعت کا تھا، اس سلسلے میں راقم کو بتایا کہ ملک العلما کے مکاتیب کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے، جن میں سو کے لگ بھگ خطوط میرے نام ہیں، اور تقریباً اتنے ہی علما و مشائخ کے نام، واضح رہے کہ راقم کے علمی ذخیرے میں ملک العلما کے کافی تعداد میں مکاتیب محفوظ ہیں جن پر مستقبل میں کام کیا جائے گا، ڈاکٹر مختارالدین چاہتے تھے کہ ملک العلما کے مکتوبات کی ترتیب میں ہمیں ہاتھ بٹاؤں۔ ان کی حیات کا باب مکمل ہونے والا تھا اس سے پہلے ہی یہ علمی ذخیرہ عمدہ عکس بنوا کر راقم کو بھجوا دیا۔

ان کے ذوق رضویات سے متعلق ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی لکھتے ہیں:

"فکر رضا پر ان کی گہری نظر تھی، رضویات پر ان کی پہلی تحریر ۱۹۷۶ء میں سامنے آئی، جو المیزان ممبئی میں چھپی، پھر گاہے گاہے لکھتے رہے۔ یہ سچ ہے، جس لگن، دل چسپی، سرگرمی سے انھوں نے دیگر موضوعات پر کام کیا، وہ ان کا اپنا ذوق تھا، مگر رضویات سے قطع تعلق بھی نہیں رہے۔ جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھوس کیا، علمی نہج پر کیا، ان کا ایک صفحہ اوروں کے کئی صفحوں پر بھاری ہوگا۔ رضویات، متعلقات رضویات، اعلیٰ حضرت، شہزادگان اعلیٰ حضرت، خلفاے اعلیٰ حضرت، منتسبین اعلیٰ حضرت، دیگر علماے اہل سنت کے متعلق خاصی معلومات رکھتے تھے، اس حوالہ سے ان کے پاس خاصا ذخیرہ تھا۔ خطوط مفتی اعظم بنام ملک العلما اس کا ایک زندہ ثبوت ہے۔"

ڈاکٹر صاحب سے راقم کی ملاقات ۱۶؍۱۷؍جون کو ہوئی، گھنٹوں گفتگو رہی، موضوع تھا امام احمد رضا، تلامذہ و خلفاے رضا اور شہزادگان رضا۔ انھیں اس موضوع سے دل چسپی تھی۔ حافظہ قوی تھا، یادوں کے نقوش واضح کرتے رہے۔ ماضی کی کڑیاں ملاتے رہے، شہزادگان رضا علامہ حامد رضا خاں و مفتی اعظم سے ملاقات اور ان کے علم وفن پر کافی دیر تک روشنی ڈالی۔ بتایا کہ میں نے اعلیٰ حضرت کے بہت سے خلفا و تلامذہ سے ملاقات کی ہے۔ اسی ملاقات میں بتایا کہ: جب میں ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آیا تو وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد (م ۱۹۴۷ء) تھے، وہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں گئے تھے اور ریاضی میں استفادۂ علمی فرمایا تھا، اکثر اعلیٰ حضرت کا ذکر کرتے رہتے تھے، بریلی حاضری کا واقعہ مجھ سے خود بیان کیا، امام احمد رضا کے علوم کے مدح تھے۔

ڈاکٹر مختارالدین سے راقم نے دریافت کیا کہ آپ نے امام احمد رضا کے حوالے سے کافی رہ نمائی کی ہے اس ضمن میں آپ نے اب تک کتنے مقالے لکھے، ڈاکٹر صاحب نے ۴؍۵؍مقالوں کا ذکر کیا اور کہا کہ انھیں مرتب کر کے اپنے مقدمے کے ساتھ شایع کرو، ان میں چند اس طرح ہیں:

(۱) ملفوظات فاضل بریلوی - اشاعت: سہ ماہی فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۳۵، شمارہ ۲، ۱۹۹۸ء

(۲) ہندوستان کے ایک بے حد ممتاز مصنف شیخ احمد رضا خاں - اشاعت: سہ ماہی فکر و نظر علی گڑھ، جلد ۳۴، شمارہ ۴، ۱۹۹۷ء

(۳) نوادرِ رضا - ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی، جولائی ۲۰۰۱ء

(۴) امام احمد رضا کا تحقیقی جائزہ - المیزان کا امام احمد رضا نمبر / قاری دہلی اپریل ۱۹۸۹ء

آپ کی تحقیق میں کافی گہرائی ہے، موضوع سے متعلق تمام گوشوں کا احاطہ کر لیتے ہیں، امام احمد رضا پر جو لکھا اس میں جہاں دلائل سے کام لیا وہیں والد ماجد کی روایات و تحقیقات کا بھی سہارا لیا، تحریر میں سادگی، متانت اور حق بیانی ہے، اسی لیے رضویات پر آپ کی تحریروں میں علمیت کا رنگ گہرا ہے، تحقیقاتِ رضویہ کی فنی وجاہت بھی ظاہر فرماتے۔ دقتِ نظر کا یہ حال کہ باریک سے باریک نکتہ بھی فروگذاشت نہیں ہونے دیتے۔

رضویات پر علمی کام انجام دینے والی شخصیات اور اداروں سے بھی آپ کے روابط تھے، راقم سے فرمایا کہ مجلس رضا لاہور کے بانی حکیم محمد موسیٰ امرت سری چشتی (م ۱۹۹۹ء) سے میری مراسلت تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اعلیٰ حضرت پر بڑا کام کیا، ان کی مجلس میں آنے والا اعلیٰ حضرت کا فدائی بن جاتا، فکرِ رضا کا شیدائی بن جاتا، بڑے بڑے اہلِ علم حکیم صاحب کے توسط سے امام احمد رضا سے متعارف ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (م ۲۰۰۸ء) جو ماہرِ رضویات کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتے ہیں کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے امام احمد رضا کے پیغام کو کام یابی کے ساتھ دنیا بھر میں پہنچایا، میرے ان سے تعلقات تھے۔ انھوں نے امام احمد رضا پر بڑا کام کیا...... راقم نے رضویات پر تحقیق سے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت پر خوب کام ہو رہا ہے لیکن ابھی بہت کام باقی ہے، محققین کو ان گوشوں پر بھی متوجہ ہونا چاہیے جن پر ابھی لکھا نہیں گیا۔

وہ یونی ورسٹی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے ان کے متعلقین میں اپنے پرائے سبھی تھے، وہ گردشِ دوراں سے متاثر نہیں ہوئے، مسلک اہلِ سنت پر گام زن تھے، مسلک رضا کے شیدائی تھے، اسی مسلک کے مطابق آخری سفر طے کیا، اپنے آخری مکتوب میں حضور امین ملت کے نام لکھتے ہیں:

"آپ اپنے مسلک وطریقت کے مطابق تمام امور انجام دے کر ممنون کریں۔"

(مکتوب کا عکس ملاحظہ کریں: اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، خصوصی شمارہ اکابر مارہرہ ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۷)

انھوں نے جو کچھ لکھا تحقیق کے بعد لکھا...... ایک بڑا ذخیرہ ہے، تلاش پر بہت سے جواہر سامنے آئیں گے، خطوط، روزنامچے، تاثرات، انٹرویوز...... ضرورت ہے اس دانش ور کی شخصیت کا جائزہ رضویات کے تناظر میں لیا جائے تو یقیناً یہ ایک بڑا علمی کام ہوگا۔

ماہرِ رضویات فی الہند

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

برِ صغیر پاک و ہند میں اقبالیات کے وزن پر رضویات (تعلیمات امام احمد رضا) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اتنی زیادہ معنیٰ خیز سمجھی جاتی ہے کہ اس شاعری میں علمی خزانے کو تلاش کرنے کے لیے متعدد محققین سو برس سے تحقیق اور جستجو میں لگے ہوئے ہیں اور ڈاکٹر محمد اقبال کی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری اور فکر کو مزید وسعت دینے کے لیے جامعہ پنجاب میں باقاعدہ ایک علمی شعبہ "اقبالیات" کے نام سے معرضِ وجود میں آیا اور اب تک متعدد افراد ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی مختلف جہتوں پر کام کرتے ہوئے پی ایچ ڈی اور ایم فل کی اسناد حاصل کر چکے ہیں اور مستقبل میں مزید لوگ ڈاکٹر اقبال کی شاعری کی مزید نئی جہتوں کو تلاش کر کے اعلیٰ سند حاصل کرتے رہیں گے تاکہ یہ شعبۂ اقبالیات دیر تک قائم رہ سکے۔

برِ صغیر پاک و ہند میں ڈاکٹر اقبال جیسی کئی شخصیات ایسی ہیں جن کے علمی خزانے آج بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ ان شخصیات کے علمی کاموں پر مختلف جہتوں سے ریسرچ کی جائے اور ان کی علمی کاوشوں سے قوم کو آگاہی دی جائے اور اس علمی کام سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ یہ علمی شخصیات ایک طرف عہد ساز شخصیات ہیں

اور دوسری طرف ان کے علمی ذخیرے لاکھوں لوگوں کی رہنمائی کے لیے انمول خزانے ہیں۔ ان شخصیات میں چند نام بہت بڑے ہیں، مثلاً حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف بہ حضرت مجدد الفِ ثانی (المتوفی 1034ھ /1624ء) کی شخصیت اور ان کے خطوط کا مجموعہ "مکتوباتِ امام ربانی" وہ عظیم علمی ذخیرہ ہے کہ ان مکتوبات کا جتنی بھی جہتوں سے مطالعہ کیا جائے ہر جہت سے ایک نیا فن پارہ وجود میں آتا ہے؛ چنانچہ اب تک ہزاروں مقالات اس ایک تصنیف کے حوالے سے وجود میں آچکے ہیں۔ متعدد حضرات ایم فل اور پی ایچ ڈی مقالات تحریر کر چکے ہیں، اس کے علاوہ سب سے بڑا علمی کارنامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تالیف "جہانِ امام ربانی" کے نام سے جو ۱۴ جلدوں پر مشتمل ہے؛ مگر ابھی اس خزانے میں بہت سے موتی پوشیدہ ہیں جن کو کوئی غوطہ زن ہی نکال سکتا ہے۔ لہٰذا جامعات کو چاہیے کہ اس اہم تصنیف کے عنوان سے بھی ایک ریسرچ شعبہ قائم کریں۔ اسی طرح برصغیر پاک وہند میں خاندانِ ولی اللہ کی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں؛ اس خاندان نے چار، پانچ نسلوں تک مسلسل دین کی خدمت کی ہے اور لوگوں کی مکمل رہنمائی کی ہے، مثلاً شاہ عبدالرحیم دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نام ان کی قلمی خدمات کے باعث سنہری حرفوں سے لکھنے کے لائق ہیں۔ لہٰذا پاک وہند کی جامعات کو اس خاندان کی قلمی میراث کو آگے بڑھانے کے لیے بھی ایک شعبہ قائم کرنا چاہیے۔

برِصغیر پاک وہند میں ایک انتہائی عظیم عہد ساز شخصیت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ہیں، جن کا علمی قلمی کام اس قدر وسیع ہے کہ ان کے کام کو سمیٹنے کے لیے ایک دو شعبے نہیں، بلکہ ایک کلیہ (فیکلٹی) ہی نہیں بلکہ پوری ایک جامعہ درکار ہے۔ وہ اس لیے کہ ایک جامعہ میں کم از کم چند شعبے ضرور ہوتے ہیں اور بڑی جامعات میں ان شعبوں کی تعداد ۵۰ سے زیادہ تجاوز کرتی ہے اور اس سے بڑی جامعات میں شعبوں کی تعداد ۱۰۰ اور اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

امام احمد رضا نے صرف چند عنوانات پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ اپنے عہد کے تمام مروجہ شعبہ جات کے حوالے سے کم از کم چند تصانیف ضرور لکھی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کرتی ہے۔ ان ایک ہزار کتب میں عنوانات کی تعداد موجودہ دور کے شعبہ جات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ایک سو سے زیادہ ہے۔ اس لیے اگر مسلمان اس علمی شخصیت کو صرف علمی نگاہ سے دیکھیں اور کوئی تعصب نہ رکھیں تو یہ عالم اسلام کی اتنی بڑی علمی شخصیت ہے کہ شاید ہی برصغیر میں ان جیسی کوئی دوسری علمی شخصیت ہو، اس لیے اس شخصیت کے علمی کام کو عام انسانوں تک اسی وقت پہنچایا جاسکتا ہے جب اس شخصیت کے اس علمی کام کو ہر شعبہ کے اعتبار سے ریسرچ کروا کر اس کو عام لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ خاص کر امام احمد رضا نے جو کچھ علوم عقلیہ کے حوالے سے مختلف سائنسی علوم وفنون پر جو شہ پارے یادگار چھوڑے ہیں ان کو زیورِ طبع کے بعد دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عام مسلمان اس عظیم سائنسدان کی علمی کاوشوں اور فکر سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

ابھی تک سرکاری کیا نیم سرکاری سطح پر بھی امام احمد رضا کی علمی شاہکاروں کو متعارف نہیں کرایا جاسکا اور نہ ہی کسی بھی جامعہ میں کوئی ریسرچ شعبہ آپ کے نام کے حوالے سے قائم کیا گیا البتہ امام احمد رضا کے مختلف علمی گوشوں کو تحقیقی انداز سے مقالات اور تصانیف کی شکل میں شائع کرکے عوام الناس تک پہنچانے میں کئی محققین کا نام ماہر رضویات کے طور سے لیا جاسکتا جنھوں نے پچھلی نصف صدی میں امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے علمی اور فکری نظریات کو عام لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مثلاً علامہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری، حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی، حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری، حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، حضرت علامہ سید ریاست علی قادری، حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، حضرت مولانا عبدالمنان

اعظمی، حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، حضرت علامہ مولانا عبدالمبین نعمانی، حضرت علامہ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، علامہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، حضرت علامہ مولانا عبدالمنان چاٹگامی، حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری، حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں الازہری وغیرہ وغیرہ؛ مگر دو نام جنھوں نے اپنی تحریر سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا اور تحقیق کا حق ادا کیا اور امام احمد رضا کی مختلف علمی جہتوں سے لوگوں کو متعارف کرایا اور ان کی تحریر میں خود ایک اکیڈمی کا درجہ اختیار کر گئیں وہ دو نام ہیں: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی دہلوی (المتوفیٰ ۲۰۰۸ء) اور ڈاکٹر محمد عبدالنعیم عزیزی بلراپوری ثم بریلوی (المتوفیٰ ۲۰۱۱ء)۔

دنیائے علم ودانش نے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو ان کی ۳۵ سالہ تحقیقی خدمات پر "ماہر رضویات" کا خطاب دیا اور ان کے بعد ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کو "ماہر رضویات فی الہند" کے لقب سے نوازا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی رضویات پر خدمات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جن میں آپ کی قلمی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے:

۱۔ تذکارِ مسعودِ ملت، محمد عبدالستار طاہر، رضا دارالاشاعت، لاہور۔

۲۔ حضرت مسعودِ ملت اور رضویات، محمد عبدالستار طاہر، رضا اکیڈمی، لاہور۔

۳۔ تخصصات حضرتِ مسعودِ ملت، محمد عبدالستار طاہر، ادارۂ مظہر اسلام، لاہور۔

۴۔ مکتوباتِ مسعودیہ، محمد عبدالستار طاہر، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔

۵۔ منزل بہ منزل، محمد عبدالستار طاہر، انٹرنیشنل پبلی کیشنز، حیدرآباد

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حیات، علمی اور ادبی خدمات (پی ایچ ڈی مقالہ)، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی، ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، کراچی۔

۷۔ مسعودِ ملت اور امام احمد رضا، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ادارۂ مسعودیہ، کراچی۔

۸۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور نثر اردو، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ادارۂ

مسعودیہ، کراچی۔

۹۔ جواہر مسعودیہ، پروفیسر حافظ سید مقصود علی، ادارۂ مسعودیہ، کراچی۔

۱۰۔ دو مجدّد اور مسعودِ ملت، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تحریر کا مرکز ۹۰ فیصد امام احمد رضا قادری محدثِ بریلوی کی علمی خدمات ہیں۔ ڈاکٹر عزیزی صاحب جو ایک ادبی شخصیت کے مالک ہیں؛ مگر انھوں نے چونکہ بی ایس سی آنرز بھی کیا ہوا ہے اس لیے سائنسی علوم سے بالخصوص فزکس اور میتھ کے علوم سے خاص دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد رضا کی علومِ عقلیہ پر جو تصانیف ہیں اور خصوصیت کے ساتھ جو فزکس اور حساب سے متعلق ہیں ان پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے کئی مقالات تحریر کیے ہیں جن میں امام احمد رضا کے ان علوم کی نہ صرف پزیرائی کی ہے بلکہ یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے یہ امام نہ صرف علوم اسلامیہ کے علوم کے امام وقت ہیں بلکہ علوم عقلیہ کے علوم کے بھی مسلمان سائنسدان کی حیثیت سے امام الوقت ہیں۔ امام احمد رضا کی معرکتہ الآرا تصنیف "فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین" کو انھوں نے ایڈٹ کرکے اس کو فرہنگ کے ساتھ شائع کرکے ایک اہم خدمت انجام دی اور اس کے علاوہ کئی مقالات سائنسی علوم کے حوالے سے قلمبند کیے ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

علومِ عقلیہ کے حوالے سے لکھے گئے امام احمد رضا کی تصانیف کی روشنی میں جو مقالات ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے تحریر کیے اور مختلف جرائد میں شائع ہوئے اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

۱۔ کلامِ رضا اور علومِ ریاضی، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۹۲ء۔

۲۔ امام احمد رضا اور تصنیف فوزِ مبین، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۹۷ء۔

۳۔ امام احمد رضا اور بینکنگ کا نظریہ، ماہنامہ معارفِ رضا، شمارہ فروری ۲۰۰۱ء

۴۔ ملفوظاتِ رضا اور مابعد الطبیعات نظریات، شمارہ ۲۸، ۲۰۰۸ء۔

معارفِ رضا کے علاوہ دیگر رسائل میں شائع ہونے والے مقالات اور تصانیف بھی ملاحظہ کیجیے:

۱۔ امام احمد رضا اور الجبرا، مع انگریزی ترجمہ:

The Algebraic work of Imam Ahmed Raza.

۲۔ امام احمد رضا اور ٹاپولوجی۔

۳۔ امام احمد رضا اور صوت وصدا۔

۴۔ امام احمد رضا اور علم طبعیات۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے امام احمد رضا کی شخصیت اور ادبی خصوصیات میں جو مقالات تحریر کیے ان کی تفصیل ملاحظہ کریں:

۱۔ کلام رضا میں محاکات پیکر تراشی، سالنامہ معارفِ رضا، ۱۹۸۸ء۔

۲۔ کلام رضا اور صنایع تجنیس، معارف رضا سالنامہ، شمارہ 12، 1992ء۔

۳۔ امام احمد رضا اور علامہ ہدایت رسول، معارفِ رضا، ۱۹۹۴ء۔

۴۔ اعلیٰ حضرت بحیثیت ناقد وشارح، معارفِ رضا سالنامہ، ۱۹۹۹ء۔

۵۔ مولانا احمد رضا کے تخلیقی رویے اور محرکاتِ شاعری، سالنامہ معارفِ رضا، شمارہ ۲۶، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ رباعیاتِ رضا، معارفِ رضا سالنامہ، شمارہ ۲۵، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ فروغِ رضویات اور طبقۂ خواتین، سالنامہ معارفِ رضا، ۲۰۰۷ء۔

۸۔ کنزالایمان کا ادبی ولسانی جائزہ، سالنامہ معارفِ رضا، ۲۰۰۹ء۔

۹۔ امام احمد رضا اور ڈاکٹر اقبال، ماہنامہ معارفِ رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۲ء

۱۰۔ فتاویٰ رضویہ کا نثری اسلوب، معارفِ رضا، شمارہ نومبر ۲۰۰۵ء۔

۱۱۔ کنزالایمان میں محاورات کی بہار، معارفِ رضا، شمارہ جون ۲۰۰۶ء۔

معارفِ رضا کے علاوہ دیگر رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے مقالات اور تصانیف:

۱۔ اعلیٰ حضرت۔

۲۔ اعلیٰ حضرت اعلیٰ حضرت کیوں؟۔

۳۔ امام احمد رضا کے القاب وآداب۔

۴۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت۔

۵۔ امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں۔

۶۔ امام احمد رضا اور چشتی مجدّدِ دین اسلام۔

۷۔ امام احمد رضا ساداتِ کرام کی نظر میں۔

۸۔ کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویے۔

۹۔ شرح قصیدۂ رضا۔

۱۰۔ امام احمد رضا اور محسن وامیر۔

۱۱۔ اقبال مسلکِ رضا کے آئینے میں۔

۱۲۔ بلبلِ بستان رضویت۔

۱۳۔ کلام رضا میں محاورات اور ضرب الامثال۔

۱۴۔ ظریفاتِ رضا۔

۱۵۔ امام احمد رضا کی منقبت نگاری۔

۱۶۔ امام احمد رضا اور مسعودِ ملت

۱۷۔ رضا گائیڈ بک (برائے طلبہ روہیل، کھنڈ یونیورسٹی)

خاندانِ امام احمد رضا کی خدمات کا بھی آپ نے گاہے بہ گاہے جائزہ لیا اور کئی شخصیات کے حوالے سے چند اہم مقالات تحریر فرمائے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ مفتی اعظم ہند (امام احمد رضا کے چھوٹے صاحبزادے)

۲۔ حجۃ الاسلام (امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے)

۳۔ مفسرِ اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں (امام احمد رضا کے پوتے)

۴۔ ریحان ملت اور ابرِ بخشش (امام احمد رضا کے پرپوتے)

۵۔ منظر اسلام مرکزِ اہلِ سنّت (امام احمد رضا کا قائم کردہ دارالعلوم)

۶۔ منظر اسلام اور سنی تحریکات

۷۔ مفتیِ اعظم بحیثیت نقاد وشارح، ماہنامہ معارفِ رضا، جنوری ۲۰۰۶

۸۔ شانِ بریلی علامہ تحسین رضا خاں (امام احمد رضا کے منجھلے بھائی مولانا حسن رضا کے پوتے)

۹۔ مفتیِ اعظم ہند مجدد کیوں؟

۱۰۔ ہمارے مفتی اعظم

۱۱۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے امام احمد رضا کے کئی رسائل انگریزی زبان میں منتقل کیے۔ ان میں سے جو شائع ہو چکے ہیں ان کی فہرستِ ملاحظہ کیجیے:

۱۔ اسماع الاربعین 40 Ahadith of Intercession

۲۔ فوائدِ صدقات Importance of Muslim Charity

۳۔ دعوتِ میت Funeral Feast

۴۔ المیلاد النبویہ Al-Milad-un-Nabawiyah

۵۔ غایۃ التحقیق The Caliphate of Hazrat Abu bakar And Hazrat Ali

۶۔ صلاۃ الصفا The Prophet's Noor

۷۔ قمر التمام فی نفی الفیئ عن سید الانام Did the Propbet has Shadow

۸۔ الفرق الوجیز Basic Islamic Faith

۹۔ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی Qadiyani are Kaafir

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے ہندی زبان میں بھی امام احمد رضا کے حوالے سے چند مقالات تحریر فرمائے ہیں جو ہند کے مختلف جرائد میں کئی دفع شائع ہو چکے ہیں اور الگ کتابی صورت میں بھی شائع کیے گئے ہیں۔

۱۔ عظیم البرکت فاضل بریلوی۔

۲۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت۔

۳۔ امام احمد رضا غیر مسلموں کی نظر میں۔

۴۔ مفتی اعظم۔

۵۔ انوارِ مفتی اعظم۔

۶۔ امام احمد رضا کے رسالے "السوء العقاب علی المسیح الکذاب" کا ہندی ترجمہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا سب سے اہم کام امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو انھوں نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی میں پیش کر کے ۱۹۹۴ء میں اعلیٰ سند حاصل کی۔ آپ نے یہ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر زاہد حسن وسیم بریلوی کی نگرانی میں لکھا تھا۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی کی اس علمی خدمت کو سراہتے ہوئے اپنی ۱۷ ویں امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۷ء

میں امام احمد رضا گولڈ میڈل ریسرچ ایوارڈ پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے اس مقالے کو مزید بہتر بنا کر اور اپنی یونیورسٹی سے اجازت لے کر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی کو شائع کرنے کے لیے پیش کیا۔ ادارے نے اس پی ایچ ڈی کے مقالے کو ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ اس سے قبل ادارے نے احقر کے پی ایچ ڈی کے مقالے "کنزالایمان اور دیگر معروف اردو تراجم قرآن" کو بھی شائع کیا تھا؛ جب کہ ادارے کی جانب سے دو ایم فل کے مقالے عربی زبان میں بھی شائع کیے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی" کی اشاعت کے وقت برِ صغیر پاک و ہند کے ممتاز اہلِ قلم سے تقاریظ بھی حاصل کی تھیں جو اس مقالے کے اندر شائع کی گئی ہیں۔ ان تقاریظ میں سے چند کے مختصر اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صدر نشیں محترم القام جناب سید وجاہت رسول قادری لکھتے ہیں: "اردو نعت اور فاضل بریلوی پر پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب نے ایک عظیم علمی اور ادبی خدمت انجام دی ہے جس پر وہ ہم سب کے بالخصوص خواجہ تاشانِ رضویت کی طرف سے مبارک باد اور ستائش کے مستحق ہیں۔" (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ڈاکٹر عزیزی، ص ۹)

اس سے قبل سید وجاہت رسول قادری صاحب آپ کو "ماہر رضویات فی الہند" قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: "رضویات کے موضوعات سے ان کی لگن اور دلچسپی کے باعث اہلِ علم انہیں "ماہر رضویات فی الہند" کے نام سے یاد کرنے لگے ہیں۔ یہ مستند طور پر شنیدہ ہے کہ بریلی شہر میں ان کی ذاتی لائبریری رضویات پر تحقیقی کام کے حوالے سے ہندوستان کی نجی لائبریریوں میں سب سے بڑی لائبریری کا درجہ رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کا قابلِ ستائش بلکہ قابلِ تقلید وصف یہ بھی ہے کہ وہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ایم فل / پی ایچ ڈی کرنے والے ریسرچ اسکالرز کی رہنمائی کے لیے ہمہ

وقت مستعد رہتے ہیں (تھے)۔" (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۸)

ہندوستان کے ممتاز محقق اور نقاد پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے پی ایچ ڈی مقالے کو سراہتے ہوئے رقمطراز ہیں: "میں اتنا کہنے اور لکھنے میں حق بجانب ہوں کہ بیسویں صدی کے ہندوستان میں جس طرح عصری جامعات میں ریسرچ و تحقیق مختلف زاویوں سے مولانا احمد رضا خاں کی عبقری شخصیت پر ہوئی ہے، ہندوستان کے کسی دوسرے عالم دین پر نہیں ہوئی۔ اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی تحقیقی کاوش ہے، جسے انھوں نے اردو دنیا کے مشہور ادیب و شاعر پروفیسر وسیم بریلوی کی نگرانی میں "اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی" کے عنوان سے جمع کرکے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ (اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، ص ۲۵)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب کی ایک اور اہم خدمت بریلی شریف کی خانقاہ سے جاری ہونے والے ماہ نامہ سنی دنیا کا رسالہ ہے جو غالباً دسمبر ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا۔ وہ ۱۹۸۲ء میں اس کے اوّل ایڈیٹر ہوئے اور ان کی ادارت کا یہ سلسلہ ۱۹۹۲ء تک جاری رہا۔ اس دوران انھوں نے ہر ماہ نامہ میں "بابِ سخن" کے عنوان سے اداریہ لکھا، جس میں امام احمد رضا کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہر دور کے حالات کے پیش نظر اداریے لکھے اور اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو یہ ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے، جس میں مختلف عنوانات پر امام احمد رضا کے نظریات کو پیش کیا گیا ہے۔ ماہ نامہ سنی دنیا بریلی شریف سے مفتی اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی بریلوی المتوفّٰی ۱۹۸۲ء کے وصال کے بعد ان کے جانشین حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں الازہری قادری بریلوی مدظلہ العالی نے ان کی یاد میں اپنی خانقاہ سے جاری کیا اور ادارت کی ذمے داری اپنے خاص معتمد عبدالنعیم عزیزی صاحب کو سونپی جنھوں نے اپنی ادارت میں اس کو ۱۰ سال تک جاری رکھا اور یہ رسالہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی پہچان بن گیا۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو برِصغیر پاک و ہند کے مختلف اداروں

نے ان کی قلمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو گولڈ میڈل اور یادگار شیلڈ پیش کی جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ پاکستان نعت اکیڈمی جس کے بانی علی حسین ادیب رائے پوری (المتوفی ۲۰۰۵ء) تھے۔ انھوں نے کراچی میں ۱۹۹۱ء میں برِصغیر پاک و ہند کے متعدد اردو ادب کے قلمکاروں کو ان کی خدمات کے اعتراف میں نعت ایوارڈ دیے؛ چنانچہ عبدالنعیم عزیزی صاحب کو بھی نعت ایورڈ سے نوازا گیا۔

۲۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، پچھلے دو دہایوں سے امام احمد رضا پر پی ایچ ڈی حاصل کرنے والوں کو امام احمد رضا گولڈ میڈل پیش کر رہا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو بھی ان کی پی ایچ ڈی کی سند تفویض ہونے کے بعد ۱۹۹۷ء کی سالانہ امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر ان کو امام احمد رضا ریسرچ گولڈ میڈل پیش کیا گیا۔

۳۔ اسی دوران المصطفیٰ ویلفئر سوسائٹی جس کے بانی حاجی محمد حنیف طیب صاحب ہیں انہوں نے بھی ان کے 1997ء کے دورے کے موقع پر عبدالنعیم عزیزی صاحب کو نہ صرف استقبالیہ پیش کیا بلکہ ان کو سندِ اعتراف بھی پیش کی۔

۴۔ مرکزی خانقاہ رضویہ بریلی شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت علامہ مولانا مفتی سبحان رضا خاں سبحانی میاں ابنِ مولانا مفتی ریحان رضا خاں ریحانی میاں (المتوفّٰی ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) ابنِ مولانا مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی (المتوفّٰی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء) ابنِ مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی (المتوفّٰی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳) ابنِ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی (المتوفّٰی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کے قائم کردہ مدرسہ "منظر اسلام" کے صد سالہ جشن کے موقعے پر دنیا بھر میں امام احمد رضا پر تحقیق کرنے والوں کو منظر السلام ایوارڈ پیش کیا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کو بھی یہ ایوارڈ پیش کیا گیا۔ یہ ایوارڈز ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے سرپرستِ اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو، ادارے کے صدر نشین حضرت سید وجاہت رسول قادری صاحب کو اور اختر کو بھی پیش کیے گئے تھے۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلوی، جو ایک کہنہ مشق قلم کار، بلند پایہ محقق، ادیب اور ماہر رضویات تھے اور علمی اور دینی حلقوں میں اپنی پہچان رکھتے تھے اور قدر و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، اچانک قضائے الٰہی سے ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۶ اگست ۲۰۱۱ء انتقال کر گئے۔ خداوند کریم ان کی بخشش و مغفرت فرمائے اور ان کی قلمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے (آمین)۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب تعلیماتِ رضا کی خدمت انجام دیتے ہوئے امام احمد رضا کے قصیدۂ درودیہ کے اس شعر کے مصداق بن گئے۔

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود

کیا آپ ﷺ چالیس سال کی عمر تک ولی تھے؟

حضرت علامہ مفتی محمد خاں صاحب قادری
دار العلوم الاسلامیہ۔ لاہور

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کے مقدس نور کو تخلیق اوّل کے طور پر پیدا کیا اور نبوت سے نوازا، جسے اہلِ علم نے حقیقت محمدیہ سے تعبیر کیا اور یہ واضح کیا کہ یہ محض علم الٰہی میں ہونا نہیں بلکہ یہ آپ ﷺ کا ایک ایسا امتیاز و خصوصیت ہے کہ یہ کسی اور کو حاصل نہیں یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں علم الٰہی میں تھیں مگر کسی نبی نے بھی اپنا یہ امتیاز ماسوائے رسول اللہ ﷺ کے بیان نہیں کیا جو واضح کرتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے اس پر امام عبدالجلیل قصری (ت: ۶۰۸) امام شرف الدین بوصیری (ت: ۶۹۶) اور امام تقی الدین سبکی (ت: ۷۵۶) نے تفصیل سے لکھا ہے خصوصاً امام سبکی نے تو ارشاد ربانی "واذ اخذ اللہ میثاق النبیین" کی تفسیر پر ایک جز اور مقالہ لکھا، جس کا نام "التعظیم والمنۃ فی تفسیر لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" رکھا اسی مؤقف کو تمام اُمت مسلمہ نے اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا جسے آپ ﷺ نے اپنے متعدد ارشاداتِ عالیہ سے واضح کیا، مثلاً جب صحابہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال پوچھا:

متی کنت نبیاً؟ — آپ کب نبی بنائے گئے؟

تو فرمایا:

کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد۔ — میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اسی طرح معنوی طور پر یہ بھی منقول ہے:

کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین۔ — میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نبوت آپ ﷺ کو عالم ارواح میں بلاواسطۂ جبرئیل عطا کی تھی اس کی وجہ سے آپ ﷺ عالم ارواح میں بالفعل نبی تھے اور آپ ﷺ وہاں ارواح انبیاء کی تربیت فرماتے رہے۔ تمام اہلِ علم کے ہاں یہ متفقہ اُصول ہے کہ نبوت ایک ایسا منصب ہے کہ فائز ہونے کے بعد وہ ہستی کبھی معزول نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے:

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنا رسول کس کو بنانا ہے۔

(الانعام: ۱۲۵)

چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے لہٰذا وہ جانتا ہے کہ کسی کو معزول نہیں کیا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ نے اعلانِ نبوت کے بعد جب بھی آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان عالم ارواح سے ہی فرمایا جو زیر بحث مسئلہ کو نہایت واضح اور آشکار کر دیتا ہے' اگر آپ ﷺ کی نبوت میں انقطاع ہوتا تو اس موقع پر آپ ﷺ کا فریضہ تھا کہ صحابہ کو واضح فرما دیتے کہ عالمِ ارواح والی نبوت کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے اور پھر مجھے از سرِ نو نبی بنایا گیا ہے اور میں گذشتہ چالیس برس نبی نہیں تھا بلکہ ولی تھا جب آپ ﷺ اپنی نبوت کے سلسلے کو عالمِ ارواح سے بیان فرما رہے ہیں تو ہمیں بھی اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔

یہاں یہ بات آشکار رہنی چاہئے کہ یہ کہنا کہ جیسے ہی نبوت ملی اس ہستی پر نبوت کے فرائض کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے محض سینہ زوری ہے اس بات کی کوئی علمی بنیاد نہیں مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملنے کا ذکر قرآن میں صراحۃً موجود ہے مگر فرائض نبوت کی ادائیگی اس وقت لازم نہ تھی بعد میں کی گئی۔

امام فخر الدین رازی (ت: ۶۰۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال و جواب کی صورت میں لکھتے ہیں:

لو كان نبياً في ذلك الوقت لو جب ان يشتغل ببيان الاحكام وتعريف الشرائع ولو وقع ذلك لاشتهر ولنقل فحيث لم يحصل ذلك علمنا انه ما كان نبياً في ذلك الوقت۔

اگر آپ نبی ہوتے تو ضروری تھا کہ آپ احکام کے بیان اور شرائع کی تعلیم دیتے اگر ایسا ہوتا تو یہ مشہور و منقول ہوتا جبکہ ایسی کوئی بات نہیں تو ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ اس وقت نبی نہ تھے۔

اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

لم لا يجوزان يقال مجرد بعثته اليهم من غير بيان شيء من شرائع والاحكام جائز ثم بعد البلوغ اخذ في شرح تلك الاحكام۔

یہ کہنا کیوں جائز نہیں کہ ان کی طرف ان کی بعثت بلا بیان احکام و شرائع جائز ہو پھر بلوغ کے بعد احکام بیان کیے ہوں۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

فثبت بهذا انه لاامتناع في كونه نبياً في ذلك الوقت وقوله "اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ" يدل على كونه نبياً في ذلك الوقت فوجب نبياً ذلك الوقت فوجب اجراؤه على ظاهره۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت ان کے نبی ہونے میں کوئی استحالہ نہیں اور ارشاد گرامی "اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ" اس وقت ان کے نبی ہونے کی نشاندہی کر رہا ہے لہٰذا اسے ظاہر پر ہی محمول کرنا لازم ہے۔

(تفسیر کبیر، ۲۱: ۱۹۴)

اسی طرح سیدنا یوسف علیہ السلام کو جب کنویں میں پھینکا گیا اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ سال تھی تو محققین کی پوری جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ انہیں اسی وقت نبوت عطا کی گئی۔ ارشادِ الٰہی:

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

(یوسف: ۱۵)

اور ہم نے اُسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا ایسے وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے۔

سے مراد وحیٔ نبوت ہے۔ اس پر سوال ہوا کہ نبوت ملنے کے بعد تبلیغ کا معاملہ؟ اس کا یہی جواب دیا گیا کہ نبوت ملنے کا یہ معنی نہیں کہ اسی وقت فرائض عائد کر دیئے جائیں بلکہ نبوت عطا کرنے والی ذات جب چاہے ان کو فرائض نبوت کی ادائیگی کا حکم دے سکتی ہے۔

یہ سوال و جواب امام رازی کی زبانی ملاحظہ کیجئے:

فان قيل كيف يجعله نبياً في ذلك الوقت وليس هناك احد يبلغه الرسالة؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو اس وقت نبی کیسے بنا دیا جبکہ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جسے وہ پیغام پہنچاتے؟

اس کا جواب یوں دیا:

لا يمتنع ان يشرفه بالوحي والتنزيل ويامره بتبليغ الرسالة بعد اوقات ويكون فائدة تقديم الوحي تانيسه وتسكين نفسه وازالة الغم والوحشة عن قلبه۔

(تفسير كبير' جز' ١٨: ٤٢٨)

اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ آپ کو وحی و تنزیل سے مشرف کر دیا جائے اور کچھ اوقات کے بعد پیغام پہنچانے کا حکم دیا جائے' تقدیم وحی کا فائدہ' اس سے انس تسکین نفس اور ان کے دل اقدس سے وحشت وغم کا ازالہ تھا۔

اہلِ علم نے نبی ورسول میں فرق کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ رسول کے لیے تبلیغ ضروری ہے جبکہ نبی کے لیے اسی وقت تبلیغ ضروری نہیں۔

آیئے چند تصریحات پڑھیے!

(۱) امام محمود آلوسی (ت:۱۲۷۰) نبی ورسول میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانت تعلم ان المشهور ان النبي في عرف الشرع اعم من الرسول فانه من اوحي اليه سواء امر بتبليغ ام لا والرسول من اوحي اليه وامر بتبليغ۔ (روح المعاني. ١٧: ٢٢٤)

تم جانتے ہو عرف شرع میں مشہور یہ ہے کہ نبی' رسول سے عام ہے نبی وہ ہے جس پر وحی کی جائے خواہ اسے تبلیغ کا حکم ہو یا نہ ہو اور رسول کو وحی کے ساتھ تبلیغ کا حکم بھی دیا جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی صدر الدین ابن ابی العز حنفی (ت:۷۹۲) نبی و رسول میں فرق کرتے ہوئے اسے ہی احسن قرار دیا ہے:

وقد ذكروا فروقاً بين النبي والرسول واحسنها ان من نباه الله بخبر

اہل علم نے نبی و رسول کے درمیان متعدد فرق بیان کیے ہیں ان میں سے سب سے

السماء ان امره ان يبلغ غيره فهو نبي رسول وان لم يامر ان يبلغ غيره فهو نبي وليس برسول فالرسول اخص من النبي فكل رسول نبي وليس كل نبي رسولاً۔

(شرح العقيده الطحاوية: ١٦٧)

خوبصورت یہ ہے کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ سماوی وحی سے نوازتا ہے اگر اسے ساتھ یہ حکم بھی دے کہ وہ دوسروں تک پہنچائے تو وہ نبی و رسول ہے اور اگر اسے یہ حکم نہ دے کہ دوسروں تک پہنچائے تو وہ نبی ہے اور رسول نہیں ہوگا تو رسول نبی سے خاص ہے تو ہر رسول نبی ہوگا لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

(۳) علامہ شیخ محمد بن سفارینی (ت:۱۱۸۸) نے اس فرق کو یوں واضح کیا ہے:

وهو انسان يوحي اليه بشرع وان لم يؤمر بتبليغه فان امر بتبليغه فهو رسول ايضاً على المشهور فبين النبي والرسول عموم وخصوص مطلق فكل رسول نبي وليس كل نبي رسولاً والرسول افضل من النبي اجماعا لتميزه بالرسالة التي هي افضل من النبوة على الاصح۔

(لوامع الانوار البهية : ٤٩' ٥٠)

نبی وہ انسان ہے جس کی طرف شرع وحی کی جائے اگرچہ اسے تبلیغ کا حکم نہ ہو اگر اسے تبلیغ کا حکم بھی ہو تو وہ مشہور قول میں رسول ہے تو نبی و رسول کے درمیان عموم و خصوص مطلق ہے ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا تو رسول' نبی سے افضل ہے کیونکہ اس میں رسالت کا بھی اجتماع ہے جو نبوت سے اصح قول پر افضل ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

والرسول انسان اوحي اليه بشرع وامر بتبليغه فان لم يؤمر بتبليغه فنبي فقط۔ (لوامع الانوار البهية : ٢٥٨)

رسول وہ انسان ہے جس کی طرف شریعت وحی کی جائے اور اسے تبلیغ کا حکم دیا جائے اور اگر اسے تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو تو وہ فقط نبی ہوگا۔

(۴) حضرت ملّا علی قاری حنفی (ت:۱۰۱۴ھ) اس بارے میں رقمطراز ہیں:

ثم فی تقدیم النبوۃ علی الرسالة اشعار بما ھو مطابق فی الوجود من عالم الشھود وایماء الی ما ھو الاشھر فی الفرق بینھما من المنقول بان النبی اعم من الرسول' اذ الرسول من امر بالتبلیغ' والنبی من اوحی الیه' اعم من ان یؤمر بالتبلیغ ام لا؟ قال القاضی عیاض: والصحیح الذی علیه الجمھور ان کل رسول نبی ولاعکس' وھو اقرب من نقل غیرہ الاجماع علیه لنقل غیر واحد الخلاف فیه' فقیل: النبی مختص بمن لایؤمر' وقیل: ھما مترادفان' واختارہ ابن الھمام والاظھر انھما متغایران لقوله تعالیٰ: "وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیّ"۔ (الحج:۵۲) ولبعض الاحادیث الواردۃ فی عدد الانبیاء والرسل علیھم السلام۔

(الروض الازھر فی شرح الفقه الاکبر : ۱۷۹)

نبوت کو رسالت پر مقدم رکھا یہ اس طرف اشارہ ہے جو وجود میں عالم شہود کے مطابق ہے اور یہ ان دونوں کے درمیان مشہور فرق کی طرف ہی اشارہ ہے کہ نبی' رسول سے عام ہے کیونکہ رسول کو تبلیغ کا حکم دیا جاتا ہے اور نبی پر وحی کی جاتی ہے خواہ اسے تبلیغ کا حکم دیا جائے یا نہ دیا جائے' قاضی عیاض فرماتے ہیں صحیح یہی ہے کہ اس پر جمہور ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر اس کا برعکس نہیں اور یہی اس کے قریب ہے۔ جس پر دیگر نے اجماع نقل کیا' کچھ نے اختلاف کیا ہے کہ نبی جسے تبلیغ کا حکم نہ ہو' بعض نے کہا کہ یہ دونوں مترادف ہیں اسے ابن الہمام نے اختیار کیا اظہر یہی ہے کہ یہ دونوں آپس میں غیر ہیں کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے: "اور ہم نے تم سے پہلے جتنے نبی یا رسول بھیجے" اور کچھ احادیث مبارکہ بھی انبیاء ورسل علیہم السلام کی تعداد کے بارے میں مروی ہیں۔

اہلِ علم نے اسی فرق کے بارے میں لکھا:

لعل ھذا القول ھو اسلم الاقوال والبعدھا من الاعتراضات التی ترد علی غیرہ۔

یہ قول محفوظ ترین ہے اور ان اعتراضات سے دور ہے جو دیگر اقوال پر ہوتے ہیں۔

یہی حقیقت رسول اللہ ﷺ کے معاملۂ نبوت کی ہے۔ آپ عالمِ ارواح سے نبوت کے منصب پر فائز ہیں اور آپ کی نبوت بلاواسطہ جبرئی ہے جو صرف سرورِ عالم ﷺ کا خاصہ ہے اور چالیس سال بعد حضرت جبرئیل امین کے ذریعے سنت الٰہیہ کو پورا کرتے ہوئے آپ ﷺ کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا کیونکہ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّـآ اَوۡحَیۡنَـآ اِلَیۡكَ كَمَآ اَوۡحَیۡنَـآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ۔ (النسا: ۱۶۳)

ہم نے آپ پر وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد نبیوں پر کی۔

اگر اسے بعض اہلِ علم نے دوبارہ نبوت عطا کرنے سے تعبیر کیا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ دوبارہ دینے کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ وہ چیز پہلے ہی موجود تھی مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کا نزول آپ پر دو مرتبہ ہوا۔

رہی یہ بات کہ کیا اہلِ علم نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عالمِ ارواح کی نبوت میں تسلسل ہے تو اس سے بڑھ کر گواہی کیا ہو سکتی ہے کہ جب یہ معاملہ اُٹھا کہ وصال کے بعد انبیاء کی نبوت ورسالت کا حکم کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں جو اہلِ علم نے گفتگو کی ہے۔

اس میں دیگر دلائل کے علاوہ ان روایات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً:

ان نبینا ﷺ حیّ فی قبرہ رسول اللہ ﷺ ابد الابداد علی الحقیقة لا المجاز وانه کان نبیا و آدم بین الماء والطین ولم تبرح نبوته باقیة ولاتزل۔

(طبقات الشافعیه الکبری. ٤: ۱۳۲)

ہمارے نبی ﷺ قبر انور میں زندہ ہیں اور آپ بطور حقیقت اللہ کے رسول ہیں نہ کہ بطور مجاز' اور آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے اور آپ کی نبوت ہمیشہ باقی ہے کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہلِ علم نے انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان الفاظ کی تصریح کی ہے:

انه ﷺ وُلِدَ نبیاً (سبل الھدی. ۱: ۶۳)

آپ ﷺ پیدا ہی نبی ہوئے۔

اس کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ آپ ﷺ کو بچپن میں اپنے نبی

ہونے کا علم و یقین تھا مثلاً امام حاکم، ابن حبان، ابونعیم، ابن عساکر اور ضیاء مقدسی نے "المختارۃ" میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ!

ما اول ما ابتدئت بہ من امر النبوۃ؟	آپ ﷺ کے معاملہ نبوت کی ابتدا کیسے ہوئی؟

فرمایا:

انی لفی صحرا امشی ابن عشر حجج اذا انا بر جلین۔	میں دس سال کی عمر کا تھا تو میرے پاس دو آدمی آئے۔

(سبل الھدیٰ۔ ۲، ۶۰)

پھر آپ نے شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔

امام دارمی، بزار، رویانی، ابن عساکر اور ضیاء مقدسی نے "المختارۃ" میں نقل کیا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!

کیف علمت انک نبی حتیٰ علمت ذلک واستیقنت انک نبی؟	کیسے آپ کو علم ہوا کہ آپ نبی ہیں حتیٰ کہ آپ کو یقین ہوگیا کہ آپ نبی ہیں؟

(سبل الھدیٰ۔ ۲، ۶۳)

تو آپ ﷺ نے اس پر شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔

اس کے بعد اگر کوئی کہتا ہے کہ آپ ﷺ بچپن میں نبی نہ تھے اور اپنی نبوت کا علم نہیں رکھتے تو اس کی بات کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے۔ جب نبی ﷺ ان حقائق سے اپنی اُمت کو خود آگاہ کر رہے ہیں تو اُمت کو چاہیے کہ وہ آپ ﷺ کی ماننے اور کسی کی طرف ہرگز متوجہ نہ ہو۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ
وعلیٰ اٰلک واصحابک یا سیدی یا حبیب اللہ

حسان العصر

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خُدا نے جن لازوال علمی و فقہی کمالات، باطنی و نظری خصوصیات اور علمی و ادبی خصائص سے نواز رکھا تھا ان میں سے ایک صفتِ خاص آپ کی منفرد نعت گوئی ہے۔ اگر ایسے اساتذہ فکر و فن کی فہرست تیار کی جائے جنھوں نے اس صدی میں ثنائے مصطفیٰ کا پرچم لہرانے والوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا تو ان میں یقیناً سرِفہرست حضرت فاضل بریلوی کا اسمِ گرامی ہوگا کہ جن کی نعت گوئی کا اعتراف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ بیگانوں نے بھی کیا ہے۔ بلکہ ان نابغہ روزگار ثنا گویانِ کوچہ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں سے بیشتر نے انھیں فنِ نعت کے حوالے سے امامِ سخن گویاں قرار دیا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا سورج جب ایک بار چمکا تو پھر اس کی روشنی کبھی بھی ماند نہ پڑسکی۔ بلکہ ہر آنے والے دور کا شاعر جب مدحت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ذہن و فکر کو آمادہ کرتا ہے تو احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے کلام بلاغت نظام سے راہنمائی ضرور حاصل کرتا ہے۔ جب ایشیا کی مساجد سے لے کر یورپ کے اسلامی مراکز تک ہر جگہ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کی صورت میں وجد آفریں سلام کی صدائیں ابھرتی ہیں تو جہاں اصحاب نظر کی پلکیں عشق و عقیدت کے آنسوؤں سے نم آلود ہو جاتی ہیں، وہاں تصورات کے نہاں خانوں میں نعت گو احمد رضا خاں کا جو روشن سراپا ابھرتا ہے وہ اس قدر سربلند اور سرفراز ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین اور عصر حاضر کے نعت گو شعراء کا وجود اپنی تمام بلند قامتی کے باوجود اس کے سامنے مختصر محسوس ہوتا ہے۔

اس غیر معمولی مقبولیت، حیرت انگیز سرعت، لافانی شہرت اور انمٹ قدر و منزلت کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نعتیہ شاعری کے لیے قرآن حکیم سے اکتساب فیض کیا ہے۔ قرآن حکیم

بذاتِ خود نعتِ مصطفیٰ کا سب سے اہم ماخذ ہے جس کے ہر سیپارے' سورت اور آیت سے صفت و ثنائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہک پھوٹ رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فقط ایک شاعر ہی نہ تھے' نامور عالم دین' یگانہ روزگار محدث اور بے مثل مفسر قرآن بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ذوق و شوق کی کیف آفریں وادیوں میں گم ہو کر جب قرآن حکیم کا مطالعہ کیا تو انہیں نعت مصطفیٰ کی رفعتیں اپنے قلب و جان کا احاطہ کرتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے آگے بڑھے تو شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خضر راہ بن گئی اور وقت کا یہ عظیم ترین فقیہہ نعت کی گلرنگ وادیوں میں سفر کرتے ہوئے بے اختیار عظمت کلام خداوندی اور شریعتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے پکار اٹھا

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو
ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکمِ مولیٰ کا خلاف
لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

احمد رضا خاں چونکہ بہت بڑے عالم دین اور علوم شریعت سے غیر معمولی آگاہی رکھنے والے نعت گو شاعر تھے۔ اس لیے انہوں نے نعت کے حقیقی مقام کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں آپ نے نعت کی جو تعریف کی ہے وہ اصحاب ذوق کے لیے شمع ہدایت ہے۔

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔''

رضا بریلوی نے نعت کی شرعی حدود و قیود کا پورا پورا پاس کیا ہے۔ ان کا راہوار قلم جب عشق و عقیدت کی جولاں گاہ میں محو سفر ہوتا ہے تو ہر گام پر دلوں کے تڑپتے' جذبوں کے مچلتے تمناؤں کے غنچے چٹکنے کی صدائیں ابھرتی ہیں مگر حضرت رضا بریلوی نے عشق و عقیدت کی انتہائی سربلندیوں پر پہنچ کر بھی آداب شریعت اور ادب کے ساتھ احتیاط کو مدنظر رکھا ہے۔ کئی بلند پایہ

نعت گو شاعر افراط و تفریط کے معاملہ میں ٹھوکر کھا گئے مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قرآن حکیم' سنت مصطفیٰ اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خضر راہ بنا کر جب نعت کہی تو ایوان نعت جگمگا اٹھا۔

امام احمد رضا کی نعت عشق و عقیدت کی حسین داستان ہے۔ ایسی داستان کہ جس کا ایک ایک لفظ ذوق و شوق کی کیفیات سے بہرہ ور کرتا اور عنایات مصطفوی کا حق دار ٹھہراتا ہے۔ نعت میں عشق و عقیدت کو وہی حیثیت حاصل ہے جو پھول میں خوشبو کو حاصل ہے۔ خوشبو پھول کے باطنی حسن کو اجاگر کرتی اور اس کی حقیقی پہچان بن جاتی ہے۔ احمد رضا بریلوی بہت بڑے عاشق رسول تھے۔ یہی عشق ان کا سرمایہ حیات اور یہی ہمیشہ ادب و احترام ان کا اثاثہ عمل اور روحانی گداز ان کے لیے ذریعہ نجات تھا۔ احمد رضا خاں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارات کس طور سجاتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

مضمون آفرینی کو شاعری کی جان کہا جاتا ہے۔ شاعر جتنا بلند مضمون باندھے گا' اس کا کلام اتنا ہی زیادہ قبولیت عام اور فکری و فنی شوکت کا مقام حاصل کرے گا۔ اعلیٰ حضرت نے نعتِ مصطفیٰ کو فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ اس کوچہ ارادت و عقیدت میں معمولی سی ٹھوکر بھی انہیں بلند مقام سے نیچے گرا سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے خود نعت کے تقدس کو ملحوظ رکھا بلکہ دوسرے شعراء کی بھی رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیجی جس کا مطلع یہ تھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت نے سن کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ دوسرا مصرعہ مقام نبوت کے لائق نہیں ہے۔

آپ نے قلم برداشتہ اصلاح فرمائی ۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے — قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلی کے سامنے

اعلیٰ حضرت کی اس اصلاح سے اطہر ہاپوڑی کی مضمون آفرینی اور رفعت تخیل کو چار چاند لگ گئے۔ اب ہم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام سے مضمون آفرینی، رفعت تخیل اور شوکت فکر کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں — دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
مرے کریم گنہ زہر سہی لیکن — کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا
پریشانی میں نام ان کا دلِ صد چاک سے نکلا — اجابت شانہ کرنے آئی گیسوئے توسل کا

حضرت احمد رضا خاں صفت و ثنائے حضور میں اس درجہ محو ہوئے کہ تمام زیست نعت کے علاوہ کسی اور طرز سخن کی جانب توجہ نہ کی۔ حضور آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو سلطانِ اقالیم دو عالم ہیں۔ افتخار آدم و بنی آدم ہیں۔ رحمت پناہ عاصیاں اور چارہ بے چارگاں ہیں۔ آپ کا دربار وہ دربار معلی ہے جہاں سے گداؤں کو شہنشاہی اور بوریا نشینوں کو عشق و عقیدت کے نام پر کجکلاہی عطا ہوتی ہے۔ اس لیے کون چاہے گا کہ ایک بار اس دربار معلی سے نسبت حاصل کر کے کسی اور دروازے کی طرف دیکھے یا اپنے دور کے کسی سلطان یا امیر کا قصیدہ کہے۔ شاہ احمد رضا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت پر اس قدر ناز تھا کہ اس کا اظہار ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نعت کو ان بلندیوں پر پہنچا دیا کہ زمانے کو ان کی عظمت تسلیم کرتے ہی بنی۔ نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ افتخار ہے کہ نعت گو شاعر بے اختیار اس کے

احساس سے اپنے جذبات کو وجد میں لے آتا ہے۔ اس لیے شاہ احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم — جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

حضور سرور کائنات، فخر موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی میں قدرت نے ازل سے ابد تک کے تمام محامد و محاسن جمع کر دیے ہیں۔ آپ کے ظاہری و باطنی فضائل عقل و خرد سے ماوریٰ اور آپ کے کمالات ذہن انسانی سے کہیں بلند ہیں۔ شاعر کی فکرِ کمتر کمالاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کرنے کے لیے آگے بڑھتی ہے مگر بے بس و ناتواں ہو کر اپنی معذوری و مجبوری کا اعتراف کرنے لگتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے قلم حقیقت رقم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن ظاہری اور باطنی تجلیات کو جی بھر کر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کا یہ خراج عقیدت اشعار کا ایک ایسا گلکدہ ہے جس کا ہر پھول سدا بہار اور ہر غنچہ محبت رسول سے مشکبار ہے۔ آپ نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن صورت کو اس شان سے اپنی شاعری کا اعزاز بنایا ہے کہ افق شاعری پر عظمت و شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نجوم تاباں ہر لحظہ نئی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوئے اور اصحاب نظر کے افکار کو مستنیر کرتے نظر آتے ہیں۔ حسن و جمال مصطفیٰ کے حوالے سے ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں — سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

یہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول — لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ — مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحٰی ترے چہرہ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

خامۂ قدرت کا حسن دستکاری واہ واہ — کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی اتاری واہ واہ
نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ — اٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ واہ

جب اعلیٰ حضرت بریلوی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ باطنی اور جمالِ سیرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کا اندازِ بیان دیدنی ہوتا ہے۔ ان کی نگاہوں میں حضور نبی کریم کے تمام خصائص و کمالات گھومنے لگتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ کردار "رفعت۔ گفتار" بے پایاں رحمۃ للعالمینی' میدان محشر میں آپ کی شفیع المذنبینی' گنہگار امت کے لیے حضور کی گریہ وزاری' خطاکاروں کی بخشش کے لیے رحمت شعاری' جود و کرم کی فراوانی' لطف و عنایات کی فراو دامانی' اخلاق عالیہ کی رفعت' سیرت و کردار کی عظمت' خدا کی اپنے محبوب پر بے پایاں عنایت اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لیے ہر آن امنڈتا ہوا بحرِ شفاعت' یہ سب خصائص جب احمد رضا خاں کے قلم میں سمائے ہیں تو ان کی خامۂ عنبر فشاں کو نئی توانائی اور ان کے ذوقِ مدحت کو حیرت انگیز گہرائی و گیرائی عطا ہوتی ہے۔ آپ کے کلام سے چند اشعار نذرِ قارئین ہے۔

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا
جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفیٰ ﷺ نے دریا بہا دیے ہیں

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل
ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی
جس کے تلووں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
آنکھ کھولو غمزدو دیکھو وہ گریاں آئے ہیں
لوحِ دل سے نقشِ غم کو اب مٹاتے جائیں گے

شاہ احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کا وہ حصہ دلوں کو بے اختیار گداز آشنا کرتا ہے جب آپ حرمین شریفین کی جانب سفر کی تیاری کرتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو دیکھنے کی تمنا ہر صاحبِ ایمان کے دل میں مچلتی ہے اور پھر جب وہ شخصیت اس مبارک سفر پر روانہ ہو رہی ہو جس نے عمر بھر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا ہو' توحید خداوندی کے آداب سکھائے ہوں' احترام و عقیدت رسول کی چمک عطا کی ہو۔ دلوں میں شمع عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جلا کر اجالا کیا ہو۔ جس کی اپنی زندگی عشقِ مصطفوی کی تصویر اور محبت رسول کی عملی تفسیر ہو جس کے شب و روز بیت اللہ کے طواف اور حرم نبوی کی زیارت کے تصور میں گزرتے ہوں تو پھر اس پر کیف سامانی کا سحاب کس شان سے پرتوفگن ہوگا۔ اس کا تذکرہ بہار آفریں بھی ہے اور روحانی لطف و سرور کا باعث بھی۔ آیئے ہم بھی احمد رضا خاں کی اس کیف سامانی سے چند اشعار کا معنوی حسن مستعار لے کر دلوں کو شادکام کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے — جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے
اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے — اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

جب آپ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں۔ تو ان کی

کیفیت دیدنی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ کا تصور ان سے کس طور خراج عقیدت حاصل کرتا ہے۔ اس کی جھلک ملاحظہ ہو۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھ

مدینہ منورہ کے بارے میں احترام وعقیدت کا کس شان سے اظہار کرتے ہیں' انداز دیکھیے:

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اور پھر مدینہ منورہ کی گلیوں میں اس عاشق رسول کے دل پر کیا گزرتی ہے؟ آنکھیں کس طرح اشکوں کی لڑیاں پروتی ہیں' انہیں یہاں ہر کام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے نظر آتے ہیں۔ ایک طرف آپ کی بے قراری ہے اور دوسری طرف آقا و مولا کی نوازشوں کا احساس۔ اسی احساس سے سرشار ہو کر مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں کا طواف کرتے ہیں۔ گنبد خضریٰ کی زیارت کرتے کرتے جی نہیں بھرتا' دل مکین گنبد خضریٰ کی زیارت کے لیے مچلتا ہے۔ یہی بے قراری رنگ لائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عنایات بے کراں سے نوازے گئے۔ اس کیفیت کا اظہار یوں کیا کرتے ہیں:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

شاہ احمد رضا خاں کا نعتیہ مجموعہ "حدائق بخشش" ہے جس کا اولین سال اشاعت 1325ھ ہے۔ رضا بریلوی کے نعتیہ کلام کا ایک دلآویز اور خوبصورت حصہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے قصیدہ نور' قصیدہ معراجیہ اور آپ کا طویل سلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قصیدہ نور میں بطور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ اقدس کے حوالے سے آپ کے صفاتِ عالیہ کو موضوعِ شاعری بنایا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اس قدر جامع اور اثر آفریں ہے کہ بے شمار عشاق مصطفی

اسے وظیفہ عقیدت جان کر پڑھتے ہیں۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
تیری نسل پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

قصیدہ معراجیہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت وفضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بذات خود فکر وفن کا شہکار اور کاروان مدحت نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا یہ قصیدہ تشبیہات' استعارات اور برجستہ تراکیب کے حوالے سے اردو ادب کے لیے سرمایہ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جودت وجدت طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی وتسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ہمعصر مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی نے انہی دنوں معراج پر قصیدہ سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل لکھا تھا۔

محسن کاکوروی اپنا قصیدہ سنانے کے لیے بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے پاس گئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے۔ عصر کی نماز سے قبل مولانا نے خود یہ قصیدہ معراجیہ تصنیف فرمایا۔ نماز عصر کے بعد جب یہ دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے تو مولانا نے محسن کاکوروی سے فرمایا کہ پہلے میرا قصیدہ معراجیہ سن لو۔ محسن کاکوروی نے جب مولانا کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ اس عالمانہ وعارفانہ نکات کے حامل اور شاعرانہ کمالات سے لبریز قصیدے کے چند اشعار سے قارئین بھی اپنے گلشن ایمان کو بہار در کنار کر لیں۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر سے مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

تحریک پاکستان کا ایک کردار

مولانا محمد بخش مسلم بی۔اے رحمۃ اللہ علیہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے علماء اہلسنّت و جماعت کے اس خانوادۂ علم وفضل سے تعلق رکھتے تھے جو برصغیر کی دینی اور سیاسی قیادت کا علمبردار تھا۔ آپ نے اپنی سو سالہ زندگی علمی اور دینی ماحول میں گذاری۔ معلم رہے، صحافت میں حصہ لیا، خطیب بن کر چمکے، مقرر بن کر نام پیدا کیا، اور اپنی شیریں بیانی اور خطابت سے عظیم الشان مذہبی اور سیاسی جلسوں میں ممتاز مقام کے مالک بنے۔ برصغیر پاک و ہند کا شاید ہی کوئی شہر یا قصبہ ایسا ہو جہاں مولانا مسلم مرحوم نے اپنی خطابت کے جواہرات سے سامعین کی جھولیاں نہ بھری ہوں۔ خیبر سے جنوبی ہند تک آپ کی شہرت کے جھنڈے لہراتے نظر آئے اور آپ نے اسلام کی حقانیت کو اُردو، انگریزی اور پنجابی میں لوگوں تک پہنچایا۔

تحریک پاکستان کے دوران مجھے آپ سے نیاز مندی حاصل ہوئی۔ ان کی تقریریں سننے کا موقع ملا۔ خطابت کے شہ پاروں سے ذہن وقلب کو فروزاں کیا۔ پھر قیام پاکستان کے بعد آپ کی علمی اور نجی مجالس میں بیٹھنے کا بھرپور موقع ملا۔ آپ کی تقریروں کا سامع رہا۔ آپ کی خطابت سے محظوظ ہوتا رہا۔ آپ کی تحریروں کا قاری بنا۔ آپ کی سیاسی ذہانت کا معترف ہوا۔ پھر آپ کی خصوصی مجالس کا جلیس رہا۔ یوں مجھے مسلم صاحب کی علمی زندگی کے شب و روز دیکھنے کا جو موقع ملا آج ایک عرصہ کے بعد انہی کی یادوں کو تازہ کر رہا ہوں۔

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

قیامِ پاکستان سے چند سال پہلے لاہور سیاسی معرکوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ تحریک آزادی کے مقتدر سیاسی لیڈر ہندوستان کے مختلف شہروں سے آتے اور لاہور کے پبلک پلیٹ فارم پر اپنی خطابت اور بیان کے جوہر دکھاتے۔ کانگریسی لیڈران موری دروازے کے باہر باغ میں جلسے کرتے۔ جمعیۃ العلماء ہند کے نیشنلسٹ علماء گاندھی اور نہرو کی قیادت میں کانگریس کی بی ٹیم کے طور پر سٹیج پر آتے۔ دہلی دروازے کے باغ میں مجلس احرار اسلام کے شعلہ بیان مقرر گرجتے، اور موچی دروازے کے باغ میں مسلم لیگی لیڈرز مطالبہ پاکستان پر بھرپور تقریریں کرتے۔ مسلم لیگ کا یہ نعرہ عوام کے دلوں کی گہرائیوں میں اُتر جاتا کہ

مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

دہلی کے باغ میں مجلس اسلام کے شعلہ بیان مقرر گرجتے اور مطالبہ پاکستان پر بھرپور تقریریں کرتے

مجلس احرار اسلام کے مقررین سٹیج کے بادشاہ تھے۔ نیشنلسٹ علماء دیوبند سے دستارِ فضیلت لے کر کانگریس کی ہمنوائی کرتے تھے۔ خاکسارانِ وطن اپنی عسکری قوت کو بیلچے سے چمکاتے مگر لوہاری دروازہ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد جس کے سامنے ایک وسیع باغ تھا۔ کی سٹیج پر مولانا محمد بخش مسلم تحریک پاکستان کے حق میں نہایت شیریں بیانی سے مخاطبین کو گرماتے۔ مولانا مرحوم اس وقت کے نیشنلسٹ علماء کی روایت سے ہٹ کر اپنی تقریر میں انگریزی جملے اس روانی سے ادا کرتے کہ پڑھی لکھی دنیا کا قافلہ اُن کی مسجد کے سامنے رُک جاتا۔ آپ نوجوانوں کے جذبات کو نور بخشتے، اور پاکستان کے قیام کے حامیوں کو تازہ جذبہ دیتے۔ وہ آزادئ وطن کیلئے بڑے مؤثر انداز سے تقریر کرتے تو مخالفت کی آندھیوں کی رفتار تھم جاتی۔ مجھے مسلم مسجد کے ایک اجتماع میں نومبر 1946ء میں پہلی بار حاضر ہونے کا موقع ملا اور مولانا مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے محظوظ ہوا۔ آپ اپنے سامعین کو آزادی وطن کی اہمیت بتا رہے تھے، اور انہیں تحریک پاکستان کے کاروان میں شرکت پر زور دیتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

شب ہجراں کے جاگنے والو!
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی!

وہ پاکستان کے مخالفین کو للکارتے، اور کہتے کہ دیکھو! ''وہ آزادی کی صبح اپنی نورانی ضیاؤں کے ساتھ نمودار ہو رہی ہے۔ آگے بڑھو اور اس کا استقبال کرو۔ آزادی کی روشنی سے اپنے چہرے روشن کرو، غلامی کی تاریک رات تو ختم ہونے ہی والی ہے۔ تمہاری مخالفت کے باوجود پاکستان بن کر رہے گا۔''

مسجد کے محراب و منبر سے اٹھنے والی یہ اتنی پُرزور اور مؤثر آواز تھی جس نے مجھے آپ کی مجالس میں حاضر ہونے پر مجبور کر دیا۔ مسلم صاحب تقریر کرتے۔ آزادی وطن پر اظہار خیال کرتے۔ قائداعظم کی شخصیت کو اُجاگر کرتے۔ قیامِ پاکستان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی جداگانہ راہوں کی نشان دہی کرتے پھر شگفتہ انگریزی میں مغربی مفکرین کے جملوں سے اپنی تقریر کو دلنشیں بنا لیتے تو لوگ عش عش کر اُٹھتے۔ آپ کا انداز بیان ہمہ پہلو دار کرتا۔ علماء کے لیے آیاتِ قرآنی سے دلائل لاتے انگریزی خوان طبقہ کو قائداعظم کے بیانات کے اقتباسات سے متاثر کرتے۔ اہل علم کو اساتذہ سخن کے اشعار سے مسحور کرتے۔ عوام الناس کو پنجابی کے مقولوں سے لوٹتے اور نوجوانوں کو دلچسپ جملوں کی یلغار سے تڑپا دیتے!

نگاہ کے تیر سے گر بچ گیا شکار کوئی
تو بڑھ کے زلف نے اُس کو اسیر دام کیا

پاکستان بن گیا، ہند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آزادی کے قافلے رواں ہوئے۔ مہاجرین کے قافلوں کے قافلے کٹتے گئے۔ گھروں کے گھر لٹتے گئے۔ محلوں کے محل جلتے گئے۔ مگر آزادی کے متوالوں کے قدم کسی منزل پہ نہ رُکے۔ وہ آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ پاکستان بن گیا۔ اُس کی سرحدیں دیواریں بن کر اہل ایمان کا قلعہ بنتی گئیں۔ اس ملک میں اپنے بیگانے، حامی و مخالف، پاکستان کے نام پر قربان ہونے والے۔ حتیٰ کہ پاکستان پر لعنت بھیجنے والے سب کے سب دامنِ پاکستان میں سمٹتے گئے۔

علماء اہلسنت اور مشائخ کرام کی ایک کثیر تعداد تحریک پاکستان کے لئے کام کر چکی تھی۔ اس کے لیے بے پناہ قربانیاں دے چکی تھی۔ سب کچھ لٹا چکی تھی، یہ حضرات آگے بڑھے۔ ان میں مسلم صاحب کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ مولانا سید محمد ابو الحسنات قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا احمد سعید کاظمی، مولانا غلام دین انجن شیڈ لاہور، مولانا اکرام حسین مجددی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، میاں غلام قادر شاز و لیبارٹریز، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ علی پوری، پیر آف زکوڑی شریف، پیر آف مانکی شریف کے نام آفتاب بن کر چمکتے رہے، یہ وہ لوگ تھے۔ جو غلامی کے اندھیروں سے ملت اسلامیہ کو نکال کر آزادی کی روشنیوں میں لے آئے تھے، اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں کام کرتے رہے تھے۔

مجھے مسلم مسجد کے ایک اجتماع میں نومبر 1946ء میں پہلی بار حاضر ہونے کا موقع ملا اور مولانا مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے محظوظ ہوا

نوجوان علماء میں سے مولانا عبدالستار خان نیازی، سید محمود شاہ گجراتی، مولانا سلیم اللہ خاں، مولانا سید خلیل احمد قادری، مولانا سید محمود احمد رضوی، مفتی محمد حسین نعیمی ایک گروپ کی شکل میں جمع ہو کر پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ مولانا مسلم علمائے اہلسنت کی اس مجلس (جسے بعد میں جمعیۃ العلماء پاکستان کا نام دیا گیا) کے سیاسی مشیر تھے، اور حکومت کے ہاں جس قدر مطالبات، روئیداد، تحریکات یا تجویزات پیش کرنا ہوتیں آپ ہی تیار کرتے۔ آپ کی یہ تحریریں انگریزی اُردو میں یکساں ہوتی تھیں۔ مجھے ان دنوں ان حضرات کی حاشیہ نشینی کا شرف حاصل تھا، اور مسلم صاحب کی رفتارِ قلم کی آواز سننے کا موقع ملا۔ مولانا مسلم صاحب کے قلم کی کاوش تھی جس نے علماء کی زبان بن کر حکومت کو ''قراردادِ پاکستان'' منظور کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ مولانا مسلم ان دنوں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، وزیر اعلیٰ پنجاب کے دست راست تھے۔ جب وزیر اعظم لیاقت علی خاں لاہور آتے آپ کے ساتھ رہتے۔

1953ء میں پہلی بار تحریک ختم نبوت چلی، اس میں نظریہ پاکستان کے مخالفین،

مجلس احرار اسلام، جمعیۃ العلماء اسلام اور متعدد دیوبندی علماء بھی علماء اہلسنّت کے اس مؤثر و فعال گروپ سے آملے جو ملک میں آئین اسلام کے نفاذ کی جدوجہد میں مصروف تھا۔
مولانا مسلم مرحوم نے تحریک ختم نبوت میں اپنی سرکاری ملازمت کی بنا پر صف اوّل میں کھڑے ہونے کی بجائے قلمی کام کر کے تحریک کو قوت بخشی۔ اس خدمت کی شہادت میز انکواری رپورٹ کے صفحات پیش کرتے ہیں۔ اس میں مسلم مرحوم کے بیانات کے اقتباسات اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے تحریک ختم نبوت کی افادیت پر اپنے اخبار ''بصیرت'' میں پُرزور اداریے لکھے۔ دوسرے اخبارات میں زبردست مقالات لکھے اور پھر عوام کی راہنمائی کے لیے کئی پمفلٹ لکھ کر شائع کرائے۔

سیاسی میدان سے ہٹ کر مولانا مسلم مرحوم نے وقت کے جلیل القدر اساتذہ کے دسترخوانِ علم وفضل سے دامن بھرا تھا۔ مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا اصغر علی روحی، مولانا معوان حسین مجددی، مولانا غلام اللہ قصوری، مولانا غلام مرشد اور دارالعلوم نعمانیہ کے دوسرے اساتذہ کی علمی مجالس سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ آپ قدیم اساتذہ کے علاوہ مولانا غلام مرشد کی تحقیقات اور تنقیحات سے بے حد متاثر تھے۔ وہ اپنی گفتگو میں اکثر ان نکات کو بیان فرماتے جو مولانا غلام مرشد کے درس سے اخذ کرتے۔ وہ دقیق گفتگو کرتے وقت مولانا کے تحقیقی حوالے بیان فرماتے، اور یوں اپنے بیان کو اساتذہ کے رنگ میں رنگ کر سامعین کے دلوں کو روشن کرتے جاتے۔

مولانا ذوقِ مطالعہ کے قتیل تھے۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک مطالعہ کی دولت سے دست کش نہیں ہوئے۔ ان کے اعصاب اور نگاہ نے مطالعہ کتب کے سامنے کبھی شکست نہیں مانی۔ اخبارات، رسائل، پمفلٹ، کتابیں، قدیم ادب اور جدید موضوعات آپ کے زیر نظر رہے، اور فرمایا کرتے "عینی فی اللوح المحفوظ العصر" میری آنکھ اپنے وقت کے علمی خزانوں پر لگی رہتی ہے۔ وقت کے کسی موضوع پر گفتگو ہوتی تو مسلم صاحب اس پر پوری واقفیت کے ساتھ اظہار خیال کرتے، اور ان تحریروں کے حسن وقبح پر مضبوط گرفت رکھتے تھے۔
پاک و ہند سے شائع ہونے والے اکثر انگریزی اور اُردو اخبارات آپ کے سامنے ہوتے،

اور مشاہیر وقت کی کتابیں آپ کے مطالعہ کی زینت بنتیں۔
1966ء کے بعد ایک ایسا دور آیا، کہ مولانا مسلم صاحب مرحوم نماز جمعہ کے بعد فارغ ہوتے اور اپنی مسجد کے نیچے چند ادبی اور علمی احباب سے مجلس ہوتی۔ اس مجلس میں وقت کے شعراء، ادباء، علماء اور سخن شناس حضرات جمع ہوتے۔ اس مجلس میں مسلم مرحوم کی سخن شناسی شنیدنی اور حاضر جوابی دیدنی ہوتی۔ آپ کے لطیف جملے، برمحل مصرعے، موزوں اشعار اہل سخن سے داد تحسین حاصل کرتے۔ جناب احسان دانش، غلام رسول مہر، شورش کاشمیری، بشیر حسین ناظم، نازش رضوی اور صوفی تبسم جیسے قادرالکلام شعرا کو مسلم صاحب کے گھٹنے چومتے دیکھا۔ یہ حضرات مولانا علم و دانش حضرت مسلم کی بذلہ سنجی اور سخن شناسی کے قائل تھے۔

> آپ نے تحریک ختم نبوت کی افادیت پر اپنے اخبار بصیرت میں پُرزور اداریے لکھے؟ دوسرے اخبارات میں زبردست مقالات لکھے

دینی جلسوں اور اسلامی اجتماعات میں مسلم مرحوم کے ساتھ علماء اہلسنّت کا ایک بلند پایہ گروپ تھا۔ جو اپنے خطابات سے عوام الناس کو دینی قیادت دیتا۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام دین، صاحبزادہ سید فیض الحسن، مولانا محمد شریف نوری اور محمد اعظم چشتی مسلم صاحب کے ساتھ ہوتے۔ ملک بھر کے جلسوں میں تقریریں کرتے۔ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں خطاب فرماتے، اور ہر مقرر اپنا اپنا انداز بیان لے کر سامنے آتا۔ تو سامعین کے دامن علم و فضل سے مالا مال ہوجاتے۔ یہ حضرات بزرگانِ دین کے عرسوں کی مجالس، دینی مدارس کے تقسیم اسناد کے جلسوں، عید میلادالنبی کے اجتماعات پھر عام جلسوں میں کھڑے ہوتے تو سامعین مسحور ہو کر رہ جاتے۔ ہر خطیب اپنا اپنا رنگ لے کر سامنے آتا مگر حضرت مولانا مسلم کا رنگ جدا گانہ ہوتا، اور سب پر غالب ہوتا!

خوباں شکستہ رنگ خجل ایستادہ اند
در محفلے کہ تو بمقابل نشستہ!

مجھے حضرت مولانا مسلم کی سحر بیانی کا اس وقت قائل ہونا پڑا جب ایک بار قصور شہر کے ایک جلسہ عام میں مجھے سٹیج سیکرٹری بنایا گیا۔ یہ جلسہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری کی صدارت میں تھا۔ اہل قصور کی بڑی تعداد موجود تھی۔ مقررین کا تقاضا تھا، کہ حضرت مولانا مسلم صاحب کو سب سے آخر پر موقع دیا جائے۔ چنانچہ نوگفتار مقررین تقریریں کرتے رہے۔ مسلم صاحب بیٹھے رہے۔ رات کے دو بج گئے۔ حاضرین کی تعداد کم ہوگئی۔ کئی لوگ اونگھنے لگے۔ کئی سو گئے۔ کئی جلسہ گاہ چھوڑ کر چلے گئے۔ میں نے حضرت مولانا مسلم کے نام کا اعلان کیا۔ آپ اٹھے اپنی مترنم آواز سے خطبہ پڑھا اور چند اشعار اٹھائے۔ دیکھتے دیکھتے اونگھنے والے تازہ دم ہوگئے۔ سونے والے جاگ اُٹھے۔ جانے والے پلٹ آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جلسہ گاہ سامعین سے بھر گیا۔ پھر مسلم صاحب تھے ان کا خطاب تھا سامعین تھے، اور رات کا شباب تھا۔ آپ کا میٹھا بیان تھا، اور شیریں کلام تھا۔

شب ہجراں کے جاگنے والو
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

حضرت مسلم صاحب مجلس میں بات کرتے تو مخاطب کی ذہنی سطح پر اُتر کر بات کرتے۔ علم کا رعب، معلومات کا بوجھ، فقیہ شہر کی مشکل گوئی، امانت وخطابت کا تکبر نزدیک نہ آتا۔ مخاطب عالم ہوتا تو آپ اس سے عالمانہ اور منطقیانہ گفتگو کرتے۔ انگریزی خواں ہوتا تو انگریزی جملے بولتے، طالب علم ہوتا، تو آسان مطالب بیان کرتے، بچہ ہوتا تو لطیفہ گوئی سے بات سمجھاتے، اور اگر کوئی دیہاتی اَن پڑھ ہوتا تو پنجابی میں بات کرتے، اور سیف الملوک اور ہیر وارث شاہ کے اشعار سنانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ وہ "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کی عملی تصویر بن جاتے۔ آپ کی گفتگو سے ہر سطح کا آدمی یکساں لطف اندوز ہوتا۔ وہ اپنے نجی سامعین کو گھنٹوں محو سماعت رکھتے۔ جو شخص چند لمحے آپ کے پاس بیٹھ جاتا وہ دامنِ دماغ اور خانہ دل کو بھر کر لے جاتا۔ ان کے ہاں رعجز تھا، انکسار تھا، ملائمیت تھی، حلاوت تھی، کوشش کرتے کہ مخاطب خالی نہ جائے۔

حضرتِ مسلم رحمتہ اللہ علیہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے فقیری سے ایوانِ شاہی تک

پہنچے۔ تلاش علم میں نکلے تو مجالس علماء میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ قلم اٹھایا تو صاحب تصانیف بنے۔ محراب ومنبر پر آئے مشق سخن کی تو خطابت کی بلندیوں تک پہنچے۔ میں نے وقت کے وزراء کو ان سے مشورے کرتے دیکھا۔ میں نے فقہا کو فقہی مسائل پر رائے لیتے سنا۔ میں نے سیاست دانوں کو ان کی خدمت میں کھڑے دیکھا۔ میں نے سخندانوں کو ان کی سخن سرائی پر داد دیتے دیکھا۔ وہ طالب علم تھے۔ معلم بن گئے وہ عامی تھے خاص شخصیت کے مالک بن گئے۔ وہ لاہور کے ایک تنگ وتاریک محلہ سے نکلے۔ مسلم مسجد کے بانی اور خطیب بنے، اور مخلوق ان کے قدم چومتی اور اپنی شبانہ روز محنت اور نیک اطواری سے شہرت کی بلندیوں تک پہنچے۔ انہیں دیکھ کر کہنا پڑتا ہے!

دینی جلسوں اور اسلامی اجتماعات میں مولانا مسلم مرحوم کے ساتھ علماء اہلسنت کا ایک بلند پایہ گروپ تھا

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

وہ روحانی طور پر شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، اور ان کی کرامات سے رطب اللسان رہتے۔ وہ سیاست دانوں میں، قائداعظم محمد علی جناح کو اپنا قائد مانتے اور ان کی قیادت کو مشعل راہ بناتے۔ وہ پاکستان کی سرزمین کو قبلہ وکعبہ تصور کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ آنے دیتے۔ اس طرح وہ کرامات میاں شیر محمد کی بیان کرتے۔ تعریف حضرت قائداعظم کی کرتے۔ استحکامِ پاکستان کا چاہتے، اور تقریر عظمت اسلام پر کرتے۔ ان کے نزدیک باقی موضوعات ضمنی تھے، اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے تھے۔

انہیں علماء سے محبت تھی۔ مشائخ سے عقیدت تھی۔ طلباء پر شفقت تھی۔ عوام سے یگانگت تھی۔ بایں منصب وبلندی مجھ جیسے غریب الایاد اور فقیر الطبع درویش کو نوازتے۔ گھنٹوں پاس بیٹھتے، میری کج مج زبانی سنتے۔ علمی راہنمائی کرتے اور دعا سے مسرور بنا دیتے۔ وہ اہل علم

کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے۔علم کے پیاسوں کی تشنہ کامی کا علاج کرتے۔ مسائل پوچھنے والوں سے کنارہ کشی نہ کرتے۔ان کا سلسلہ بیان پھیلتا جاتا۔تو سائل ان کے دامن بیان میں راحت پاتا۔ذرّوں کو اٹھاتے آفتاب بنا دیتے۔قطروں کو جمع کرتے دریا بنا دیتے۔درویشوں کو لے بیٹھتے تو انہیں دوستی کا احساس بخش دیتے۔وہ زندگی کے آخری لمحات تک علم و فضل کا دریا بن کر جیئے۔شعروں کے گلدستے بناتے اور انہیں اہل سخن کے ہاں بانٹتے۔ ایسے نابغۂ روزگار، ایسے علم کے پرستار اور ایسے قابلیت کے شاہکار کو بھی موت کی بادِ صَر صَر اڑا کر لے گئی

ہائے او موت! تجھے موت ہی آئی ہوتی!

حضرت مسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ان کی قبر کو نور سے بھر دے (نوراللہ مرقدہٗ) ان کی خاک پاک پر رحمت کی بارشیں برسائے (تاب ثراہ) ان کی یادیں ہمارے دلوں کی غذا بنیں۔ان کی باتیں ہماری روحانی تسکین رہیں۔ان کو روح ہماری مجالس کی جان رہے۔وہ ہم سے جدا ہو گئے مگر ان کا مدفن ہمارے دل پُر درد میں ہے۔

اے ہم نفسانِ محفل ما

رفتید ولے نہ از دلِ ما

❀❀❀

اسلامی ماحول میں تعلیم و تربیت کا ایک منفرد نیٹ ورک

اقرا اسلامک سکول سسٹم

(انگلش میڈیم)

سکول کی معیاری تعلیم کے ساتھ حفظ قرآن کی سہولت

★ عنقریب فرنچائز کا آغاز

● پرائمری پاس بچے/بچیوں کیلئے تین سال میں حفظ + مڈل

● بچوں کیلئے ماہر قاری اور بچیوں کیلئے ماہر قاریہ کا بہترین انتظام ہے

جدید سمعی و بصری آلات اور نرسری کے جدید ساز و سامان کے ساتھ

پونچھ روڈ برانچ: N-816 پونچھ روڈ، سمن آباد لاہور 37571947

انتظر برانچ: تیسرا گول چکر سمن آباد لاہور، علامہ پروفیسر محمد نعیم جاوید نوری

قابلِ مطالعہ
کتابیں

مکتبۂ نبویہ
گنج بخش روڈ لاہور
0300-4235658